اجتھاد اور تقلید

حقیقت کیا ھے

تحقیق : الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی مجتہد، (ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)

www.insaaniat.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قارئین کرام! آپکی خدمت میں اجتہاد اور تقلید کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔اجتہاد جن معنی میں استعمال ہوتا ہے زیادہ تر لوگوں کو ان معنی کا علم نہیں۔کچھ لوگ اسے لازم قرار دیتے ہیں اور کچھ حرام۔تقلید کے بارے میں سب متفق ہیں کہ تقلید ضروری ہے لیکن کس کی؟ یہاں پھر تنازعہ ہے۔کچھ لوگ ہر حالت میں صرف معصوّم کی تقلید واجب سمجھتے ہیں۔تو کچھ لوگ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں غیر معصوم کی تقلید کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔یہاں پر ہم دونوں مکتب فکر کا جائزہ لیں گے۔دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟؟ حقائق سامنے لانے کی جسارت پر اگر کسی کی دل آزاری ہو تو پیشگی معذرت کے طلبگار ہیں۔

اصطلاحی الفاظ:۔

اجتہاد: کوشش کرنا، جدوجہد کرنا۔ **مجتہد:** کوشش یا جدوجہد کرنے والا۔

فقہ: سمجھ بوجھ۔ **فقیہ:** سمجھدار یا سمجھنے کی قوت رکھنے والا۔

اجماع: کسی حکم پر متفق ہوجانا یا جمع ہوجانا۔ **علم الرجال:** راویوں کی تحقیق کا فن

تقلید: قلادہ یعنی گردن میں گلوبند پٹہ پہن لینا۔

علم الدرایت: کسی چیز کا علم بذریعہ حواس خمسہ، عقل وفہم

اجتہاد کے ماخذ: کتاب، سنۃ، اجماع، دلیل عقلی (دلائل اربعہ، ادلہ شرعیہ)

''جس شخص نے سب سے پہلے یہ کہا کہ حق چار وجوہ سے پہچانا جاتا ہے۔کتاب، متفق علیہ حدیث، عقل اور اجماع سے وہ ہے ابوحذیفہ واصل بن عطا جسے سب سے پہلے معتزلی کا نام دیا گیا تھا''(روضات الجنات صفحہ 345)

قیاس، عقل، رائے کے بارے میں مختصر معلومات۔

عقل، رائے، قیاس اور وہم وگمان یہ تمام چیزیں انسان کی راہنمائی کے لئے ضروری ہیں۔عقل کا دارومدار ہمارے حواس خمسہ پر ہے۔ان حواس سے جو قوت نتیجہ اخذ کرکے کلیات مرتب کرتی ہے اسے عقل کہتے ہیں۔وہم حواس سے بھی آگے آگے رہتا ہے وہم نہ ہوتو ہم تلاش وتحقیق پر آمادہ ہی نہ ہوں۔وہم ہوتا ہے تو ہم متوجہ ہوتے ہیں۔غور وفکر کرتے ہیں اب حواس اپنا کام کرتے ہیں اور عقل اس پر فیصلہ صادر کرتی ہے۔یہ فیصلہ ہی ہماری رائے ہوتی ہے۔چونکہ حواس کو مغالطہ ہوسکتا ہے۔اس لئے عقل مغالطہ کے ماتحت جو فیصلہ کرے گی وہ فیصلہ مغالطہ کے عین مطابق ہونے کی بنا پر تو صحیح ہے، لیکن حقیقت حال کے خلاف ہونے کی بنا پر غلط ہے۔یعنی یہ ہر وقت ممکن ہے، کہ ہم نے عقل کی روشنی یا عقلی دلیل سے ایک صحیح فیصلہ کیا ہو، مگر وہ حقیقت واقعی کے لحاظ سے غلط ہو۔پھر عقل ایک ترقی پذیر قوت ہے جو تربیت اور ماحول کے ساتھ ہمیشہ سے ترقی کرتی چلی آئی ہے اور برابر ترقی کرتی چلی جائے گی۔دماغی صدمہ سے عقل عارضی طور پر یا مستقل طور پر فنا ہوسکتی ہے۔یعنی عقل پر ترقی وتنزل دونوں وارد ہوتے ہیں۔قیاس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں پہلے سے معلوم ہوتا ہے، اس سے کسی نامعلوم چیز کو مطابق سمجھ لینا قیاس ہے۔یہ طریقہ کبھی کبھی صحیح بھی نکل جاتا ہے لیکن عموماً غلط ہوا کرتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ ہر قیاس کی تحقیق کرکے یقین کی منزل تک پہنچا جائے۔اب سوال یہ ہے کہ رائے اور قیاس کی اتنی شدت سے مذمت کیوں کی گئی ہے۔جواب یہ ہے کہ اللہ ورسولؐ یہ نہیں چاہتے کہ انسان اپنی توانائیوں کو ضائع کرے۔اس لئے یہ فرمایا گیا کہ قرآن اور رسولؐ جو حکم دے اس پر بلا دغدغہ عمل شروع کردو۔خواہ تمہاری عقل وبصیرت اور قیاس وتجربہ اس کی تعمیل میں مضرت ہی کیوں نہ ثابت کررہا ہو۔بلاخوف اور یقین کے ساتھ عمل کرنے کا نتیجہ ہمیشہ مفید نکلے گا۔اور چونکہ اللہ ورسولؐ یا معصومین علیہم السلام کے احکامات عقلِ مطلق یا عقل کل کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں کائنات وقوانین کا ہر پہلو مدنظر ہوتا ہے۔کسی ایک انسان کا یا ساری نوع انسانی کا عقلی فیصلہ بہرحال محدود ونامکمل عقل کا فیصلہ ہوتا ہے۔اس لئے اس معصومؑ حکم میں دخل دینے سے مضرت ہی پیدا ہوگی۔یہ سبب ہے کہ کسی بھی معاملہ میں عقل وقیاس رائے کے فیصلے کو آخری فیصلہ قرار دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔لہٰذا قرآن ورسولؐ کے ماننے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عقل وقیاس ورائے کو معصومؑ احکام کے ماتحت رکھیں۔اور اپنا پورا زور اُن احکام پر من وعن عمل کرنے کی راہ نکالنے میں لگا دیں۔تاکہ تخریب پسند دماغوں کی پیش رفت سے مسلمان محفوظ رہیں۔اور توانائی کو ضائع کئے بغیر حکمیہ طور پر ترقی کریں۔اللہ ورسولؐ کے حکم کی بے چوں چرا تعمیل میں پوری کائنات کی تائید ومدد حاصل رہے گی۔اختلاف وانتشار سے حفاظت ہوگی۔لہٰذا اس عقل وقیاس ورائے اور ظن کی مذمت کی گئی ہے جو آیت یا حدیث کی

موجودگی میں آخری فیصلہ کر کے اسے دین کا فیصلہ قرار دے۔

اجماع:۔ چند علماء کا کسی حکم پر متفق ہو جانا

عامہ (وہ لوگ جو خلافت و نیابتِ رسولؐ کو ہر امتی کے لئے عام سمجھیں۔ اور ان تمام آیات واحادیث میں اجتہادی تاویلات کرلیں جو اللہ و رسولؐ نے خلافت و نیابت کے لئے فرمائی ہیں۔) کے مطابق چاروں ادلہ شرعیہ میں سے ہر ایک کی رو سے ہر حکم شریعت کا حکم ہے۔ یعنی اگر مجتہد کی عقل ایک حکم دے اُسے بھی خدا کا حکم مانا جائیگا اور اگر چند مجتہد حضرات ایک حکم پر اتفاق کرلیں تو وہ بھی خدا کے حکم کی طرح واجب التعمیل ہوگا اور خلاف ورزی کرنے والا قابل سزا اور جہنمی ہے۔ اسی اجماع کو ہتھیار بنا کر قرآن و حدیث کے واضح اور مسلمہ احکام کا یہ کہہ کر انکار کر دیا جاتا تھا اور ہے کہ:۔

''صحابہ کا اجماع اس معاملہ میں یوں نہیں بلکہ یوں ہے یا تھا۔ لہٰذا قرآن اور حدیث کے احکام کی ایسی تاویل و تعبیر کرنا لازم ہے جو صحابہ کی تفہیم کے مطابق ہو۔ صحابہ کے فیصلے کے خلاف قرآن یا حدیث کا حکم نہ ہوسکتا ہے اور نہ قابل قبول اور مصلحت عامہ کے مطابق قرار پاسکتا ہے''۔

خاصہ (جو خلافت و امامت و نیابت کو بارہ معصوم اماموںؑ کے ساتھ مخصوص کر کے پوری امت کو رسولؐ کی جانشینی کا نااہل سمجھیں۔) یعنی مذہب شیعہ میں اجماع کو سب سے پہلے جناب سید مرتضیٰ نے بطور دلیل شرعی داخل کیا۔ ورنہ اس سے پہلے ادوار آئمہ علیہم السلام میں یہ لفظ ''اجماع'' ایک رد کیا ہوا لفظ ہے۔ مذہب شیعہ میں غیر معصوم (خطا کار) لوگ دس کروڑ ہوں یا ایک ہو وہ سب مل کر بھی معصوم نہیں بن سکتے اور جب تک معصومؑ کا قول موجود نہ ہو ہم تمام دنیا کے متفقہ فیصلہ کو بھی اللہ کا فیصلہ نہیں مان سکتے۔ لہٰذا ہم کسی اجماع یا اتفاق کو دین نہیں مانتے۔ ہمارے مذہب میں قرآن و حدیث کے فیصلے ہی دین ہیں۔

علم الرجال:۔ راویانِ احادیث کی تحقیق کا علم

اس علم کے تحت احادیث کے قبول کرنے یا صحیح یا غلط ہونے کے علم کیلئے راویانِ حدیث کو حسب ونسب، مسلم مشرک، منافق، دین دیانت پر پرکھا جاتا ہے۔ جب کہ رسولؐ پاک نے احادیث کو قبول کرنے کا اصول وضع فرمایا دیا ہے کہ: ''اگر قرآن میرے نام سے پیش کی ہوئی حدیث کو قبول کرے تو وہ میری کہی ہوئی حدیث ہے ورنہ اُسے دیوار پر دے مارنا''۔

یہاں انتہائی معذرت اور افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ حدیثِ نبویؐ کو پرکھنے کے لئے تو حسب نسب دین و دیانت وغیرہ کی شرط ہے لیکن شاید دستارِ اجتہاد باندھنے کے لئے ایک مجتہد اِن شرائط سے مبرہ ہے۔ کیونکہ فی زمانہ بھی ایک مجتہد حضرت موجود ہیں جن کا حسب ونسب مشکوک ہے اور اجازہ کیلئے اعلم کامل عقل فہم و ادراک رکھنے والے اور اہل خبرہ حضرات اس کے حسب نسب، امانت و دیانت اور عقیدہ سے بے خبر رہے اور ہیں۔ ان کے باطل و فاسد عقائد مذہب شیعہ کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کیلئے کافی ہیں۔

فقیہ: سمجھدار یا سمجھنے کی قوت رکھنے والا۔

یہ لفظ عام ہے ہر سمجھدار شخص کو فقیہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن مروج اصطلاحی معنی میں وہ حضرات جو اصولِ فقہ کو راہنما بنا کر ہر مسئلہ ان اصولوں کے ماتحت رکھ کر بیان کرتے ہیں فقیہ کہلاتے ہیں۔ اصول فقہ ہی کی بنا پر ان حضرات کو اصولئین بھی کہا جاتا ہے۔

آئمہ طاہرینؑ فقیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

''حقیقی فقیہ وہ ہوتا ہے جو دنیا میں عیاشی اور لذتوں سے دور رہے۔ جسے آخرت کی تمنا ہو۔ جو سنتِ نبویؐ کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ (الکافی جلد اول صفحہ 77)

''جو کوئی ہماری احادیث میں سے کوئی سی بھی چالیس احادیث یاد کرلے قیامت کے روز اللہ اس کو ایک عالمِ فقیہ کی پوزیشن میں اُٹھائے گا'' (الکافی جلد اول صفحہ 52)

۔''ہم ہرگز ان فقہاء کو فقیہ کا درجہ نہیں دیتے جو محدث نہ ہوں'' امام جعفر صادق علیہ السلام۔

۔''ہم کسی شخص کو اس وقت تک فقیہ عالم شمار نہیں کرتے جب تک وہ ہمارے اقوال کی تہہ تک نہ پہنچ جائے''۔

معصوم اقوال کے مطابق فقیہ صرف وہ ہوتا ہے جو دنیادار نہ ہو، سنت نبویؐ کی اتباع کرتا ہو۔ کم از کم چالیس احادیث یاد ہوں۔ صرف محدث ہو اور احادیث کہ تہہ تک

پہنچنے کی عقل وفہم وقوت وادراک رکھتا ہو۔

اصولِ فقہ: جس علم کو اصولِ فقہ کہا جاتا ہے، یہ مسلمانوں نے ایجاد نہیں کئے ہیں۔ بلکہ ہر نبیؑ کے زمانہ کے نام نہاد علماء اپنے نظام کو چلانے کے لئے جو جو تجربات کرتے چلے آئے تھے، یہ علم ان اصول وقواعد کا مجموعہ ہیں۔ صدیوں پہلے یہ اصول فقہ یہود کے علماء میں جاری تھے۔ رومن قانون اور لاطینی و یونانی زبانوں میں مرتّب ومدوّن تھے۔ چونکہ مسلمان حکومتوں کے یہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ماہر یا ماہرین یہود ونصاریٰ یا مجوسیوں میں سے رہا کرتے تھے۔ جنھوں نے زمینوں کا بندوبست کیا، لگان اور خراج کے قوانین بنا کر دیئے، ان ہی کے توسط سے یہ اصول فقہ مسلمان علماء تک پہنچے۔

مسلمانوں میں تمام علماء کا اتفاق واجماع ہے کہ اصول فقہ کو سب سے پہلے امام شافعی نے تصنیف کیا تھا (روضات الجنات صفحہ 345) ان کے بعد رفتہ رفتہ ان پر اضافے اور اصلاحات جاری رہی ہیں لیکن اُن میں کا ایک بھی اصول ایسا نہیں بتایا جاسکتا جو ہم اسلام سے پہلے ریکارڈ میں نہ دکھاسکیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اصول فقہ میں بڑے کام کی اور کارآمد باتیں ہیں لیکن یہ اصول اس وقت باطل ہوجاتے ہیں جب ایک نام نہاد عالم اُن اصولوں کو قرآن اور صاحبانِ قرآن پر حاکم بنا کر ان کو اپنے اور اِن قواعد کے ماتحت رکھتا ہے اور قرآن وحدیث کو نامکمل قرار دے کر اپنی قیادت قائم کرتا ہے۔

اجتہاد: اجتہاد کے اصطلاحی معنی یا بنیاد اس یقین پر رکھی گئی ہے کہ:۔

''بعض احکام بعض معاملات کے فیصلے اور بیان، بعض حالات واشیاء کی تفصیل نہ قرآن میں اللہ نے بتائی نہ احادیث رسوؐل اور سنتِ رسوؐل میں بیان ہوئی۔ لہذا ایسے معاملات وحالات کے پیش آنے پر ہم مجتہد لوگ قرآن اور حدیث میں جو کچھ ہے اسے سامنے رکھتے ہیں پھر عقلی اصول وقواعد وعلمی بصیرت وتجربہ اور مصلحت عمومی کو سامنے رکھ کر ہم کوشش (استنباط، اخذ) یعنی اجتہاد کرتے ہیں اور ایک ایسے فیصلے پر پہنچتے ہیں جو خدا اور رسوؐل کو پسند ہوا اور اگر ان کے سامنے وہ صورت حال آئی ہوتی تو وہ بھی یہی فیصلہ کرتے جو ہم نے اپنے اجتہاد ورائے وعلم وبصیرت سے اخذ کیا ہے''۔

شیعہ مجتہدین کا نظریہ اجتہاد:۔ ''لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ:۔

(1) اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے۔ (2) اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہد کی رائے کے تابع ٹھہرایا ہے۔ (3) اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کیلئے واقع میں مُتعدِد احکام بنائے ہیں۔ (4) البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی۔ (5) تو تلاش اور تفحّص کے بعد جو نظریہ اُس کا قرار پاتا ہے۔ (6) اس پر عمل پیرا ہونا اُس کیلئے اور اُس کے مُقلّدین کیلئے کفایت کرجاتا ہے۔ (7) لیکن اسکی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے۔ (8) جو حکم واقعی کا بدل ہے۔ (9) اور ایسی صورت میں حکم واقعی کے چُھوٹ جانے پر وہ معذور قرار پاجاتا ہے۔ (10) کیونکہ اُسنے اِس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اُسکی تہہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی۔ (11) مگر اس پر کیا اختیار کہ دُرِّ شاہوار کے بجائے خالی صدف ہی اُسکے ہاتھ لگے۔ (12) لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اُسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ بکے۔ (13) یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اُسکی بھی آدھی قیمت لگادے (14) تاکہ نہ اُسکی محنت اکارت جائے اور نہ ہی اُسکی ہمت ٹوٹنے پائے''۔ (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ 128 مفتی صاحب کا حاشیہ)

دونوں نظریات کے مطابق متفقہ طور پر مجتہد کا حکم واجب الاتباع، واجب التعمیل اور خلاف ورزی جرم ہے جسکی سزا دی جانا لازم ہے۔ وہ حکم خواہ اسوقت غلط معلوم ہو یا صحیح لگے ہر حال میں اسکی اطاعت واجب ہے۔ خلاف ورزی کرنے والا مجرم اور دونوں جہانوں میں سزا کا حقدار ہے (یعنی وہ حکم، حکمِ خدا اور رسوؐل ہے) اور گر خلاف ورزی عمداً ہو اور اس پر اصرار کیا جائے تو اسکی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم ہے۔ اور جو مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک عمل بھی کرے اللہ کے یہاں وہ روزہ، نماز حج و زکوٰۃ وغیرہ حرام ومردود ہے۔

مجتہد کے اصطلاحی معنی:۔ مذہبِ اسلام کا وہ ماہر عالم جو علوم القرآن خصوصاً محکمات، متشابھات، ناسخ منسوخ، مقید، مطلق، عام وغیرہ آیات کا کما حقہ علم رکھتا ہو۔ احادیث کی تمام (49) اقسام اور ان کے جانچنے کے تمام (50) اصولوں سے واقف ہو۔ علم اصول فقہ، علم الرجال، علم الدرایت، فلسفہ، منطق وغیرہ 18 علوم کا ماہر ہو۔ ان تمام علوم میں ماہر یا سپیشلسٹ ہونے کی بنا پر اپنی کامل عقل فہم وقوت ادراک اور اجماعی فیصلوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید تقاضوں کے فروعی مسائل کا حل (جن کا حل قرآن وحدیث میں انہیں نہیں ملتا) قرآن وحدیث سے اخذ یا استنباط کرکے قابل عمل حل پیش کرتا ہو مجتہد کہلاتا ہے۔

تقلید:۔ علامہ سید علی الحائری وسید ابوالقاسم مجتہدین کتاب ''رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہاد والتقلید بالقرآن مجید'' میں تقلید کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف (Definition)

کرتے ہیں

۔''پہلی بات تقلید ہے۔ جو الفاظ کی بناوٹ کے علم کی رو سے تفعیل کے مصدر سے نکلتاہے اور قلادہ سے بنتا ہے ۔لغت میں اسکے معنی یہ ہیں کہ گردن میں گردن بند ، گلو بند یا پٹہ پہن لینا ۔ جیسا کہ کسی جانور کی گردن میں پٹہ ڈال کر رسی سے باندھ دیاجاتا ہے ۔ تاکہ وہ تقلیدکے خلاف کوئی حرکت نہ کرسکے۔اسی طرح عوام جہلا اپنی گردن میں پٹہ اورمجتہد کی اطاعت کی رسی باندھ لیتے ہیں کہ وہ اسکی منشاکے خلاف حرکت نہ کرسکیں۔ عرف عام میں تقلید یہ ہے کہ کسی کے قول یا مجتہد کے قول کو اختیار کرنا اور بلاد لیل مانگے اس پر اللہ کا حکم سمجھ کر عمل کرنا ۔ چونکہ عوام اپنی جہالت اوربے چارگی کیوجہ سے دین کونہیں سمجھ سکتے لہٰذا انہیں دلیل و برہان کی کیا ضرورت ہے ۔انہیں لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہد کی تقلید کریں او ر شرع کے تما م فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں ''۔

مرجع تقلید، جامع الشرائط مجتہد کی صفات وشرائط (رسالۃ التقلید)

(1)اعلَم ہو (2)بالغ،نیک عقل و فہم درجہ کمال پر ہو (3)عقیدہ صحیح اور عمل درست ہو (4)دیانت و امانت کمال درجہ کی ہو (5)عدل و انصاف میں مشہور اور منصف ہو (6)دنیا کا طالب و فاسق نہ ہو رشوت نہ لیتا ہو (7)برائیوں سے پاک اور بری الذمہ ہو (8)رائے اور قیاس سے فتویٰ نہ دیتا ہو (9)برھانیات ، مشھودات اور علماء کے متفقہ فتاویٰ کے خلاف نہ جاتا ہو ۔ (10)آئمہ معصومینؑ کی طرف سے اس کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم موجود ہو۔

ہروہ مجتہد جو مندرجہ بالا پسندیدہ صفات کا حکم حامل ہو اور جن افعال کی مذمت ہوئی ہے ان سے بری و منزہ ہو۔اور وہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو جو اصول فقہ کے علم میں مجتہدین نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں واجب الاتباع ہے اس سے احکام حاصل کرکے عمل کرنا واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو اتباع و تقلید بھی واجب نہیں ہے خواہ وہ براہ راست اولادِ فاطمہؑ میں سے ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ تمام علمائے وقت سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

مقلدین عوام کومرجع تقلید، جامع شرائط مجتہداختیار کرنے میں درپیش مشکلات

(1)اعلم:سب سے بڑا عالم ۔علمی درجہ بندی میں ہرایک صاحب علم پرایک زیادہ علم کا حامل رہتا چلا آیا ہے تاکہ حصول علم کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور قیامت تک نوع انسان پایہ تکمیل تک پہنچ جائے (یوسفؑ 12/72) یہ سلسلہ معصومین علیہم السلام پر رکتا ہے جہاں لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت کی نفی کر دی گئی (4/113)

اعلم کون ہیں؟ ''میں رسولؐ اللہ کا پیدا کردہ ہوں (اسی لئے) اللہ کی کتاب کا اَعلَمْ ہوں۔ (اعلم کے معنی کیا ہیں؟) اللہ کی اس کتاب میں آغازِ آفرینشِ کائنات سے لے کر قیامِ قیامت تک جو کچھ ہوا یا ہونے والا ہے سب موجود ہے۔اس میں کُرّہ ہائے ارضی وسماوی کی اطلاعات ہیں۔اس میں جنّت ودوزخ کا بیان موجود ہے (الغرض جو کچھ ہو چکا یا ہونے والا ہے) میں اُس تمام کو اُسی طرح اپنے سامنے دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔خدا نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے ''۔(اصول کافی باب الرد الی الکتاب والسُّنَّۃ جلد اول حدیث نمبر 8) ان نصوص کی موجودگی میں عوام کسے اور کیونکر ''اعلم'' تصور کریں۔

علماء کسے سمجھیں؟

جناب امام جعفرصادق علیہ السلام (روحی لہ الفدا) فرماتے ہیں کہ:۔اَلنَّاسُ عَلٰی ثَلَاثَۃِ اَصْنافٍ (۱) عَالِمٌ (۲) مُتَعَلِّمٌ (۳) وغِثاء (۱)فَنَحْنُ الْعُلَمَاء (۲) وَشِیْعَتُنَا المتعلِّمُون (۳) وَسَائِر الناس غثآء (کافی باب اصناف الناس)

۔''انسانوں کی تین قسمیں ہیں (۱) عالم (۲) طالب علم (۳) اور مَلْبَہْ ۔ چنانچہ ہم علماء ہیں اور ہمارے مکتب فکر کی اشاعت کرنے والے (شیعہ کا حقیقی ترجمہ) طالبانِ علم ہیں۔اور باقی ماندہ انسان ملبہ ہیں''۔

امام محمدؑ باقر نے فرمایا ''قسم بخدا وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہوتا جو کچھ چیزوں کا عالم اور کچھ چیزوں سے جاہل ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اس سے کہیں بلند وبرتر اور صاحب بزرگی اور کرم ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت انسانوں پر فرض کردے جس سے اس نے اپنے آسمانوں اور زمینوں کے علوم کو پردہ میں پوشیدہ رکھا ہو۔پھر فرمایا کہ جس کی اطاعت فرض کرتا ہے اس سے آسمانوں اور زمینوں کا علم پوشیدہ نہیں رکھتا''۔

(2) کامل عقل وفہم وقوت ادراک:۔

انسانی عقل وفہم مکمل نہیں ہوتی اور مغالطات سے دوچار ہوتی رہتی ہے سوائے انبیاء رسل وآئمہ معصومین علیہم السلام کی عقل کے جو کہ مکمل اور مغالطات سے

پاک ہوتی ہے قارئین جانتے ہیں کہ دنیا میں دیوانوں اور پاگلوں کے علاوہ ہر انسان صاحب عقل ہے۔اور صاحب عقل ہونے ہی کیوجہ سے اس پر دین کے احکام کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔یہ بات بدیہی ہے۔یعنی روزمرہ دیکھنے میں آتی ہے اور روز دیکھی اور آزمائی جاسکتی ہے کہ ہر شخص جو کچھ کرتا یا کہتا یا سوچتا ہے۔اس میں اپنی عقل سے کام لیتا ہے۔اور عقل سے کام لیتے رہنے کے باوجود اس سے غلط باتیں،غلط عمل اور غلط خیالات بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں اور عموماً یہ غلطی تب ظاہر ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جس نتیجے کو حاصل کرنے کیلئے اسکی عقل نے وہ قول یا فعل کرایا تھا،وہ نتیجہ نہیں نکلا۔یعنی قول سے پہلے اور قول وفعل کے دوران اس کی عقل اس کے پاس موجود رہتے ہوئے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کرسکی۔اس واقعاتی اور تجرباتی ومشہود پوزیشن سے ثابت ہوتا چلا آتا ہے کہ عقل کو مغالطہ ہوتا ہے،ہوسکتا ہے اور ہوتا رہے گا۔اس حقیقت کو قرآن کریم نے جگہ جگہ ہزاروں طریقوں سے بتایا ہے مثلاً:۔

(1) فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (2/36)

یعنی ان دونوں کو عقل کی موجودگی میں شیطان نے ڈانواڈول کردیا۔یا ڈگمگا دیا۔

(2)فوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (7/20)

یعنی ان دونوں کو شیطان نے عقل کی موجودگی میں وسوسہ میں ڈالدیا۔

(3)وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ (6/43)

یعنی شیطان نے ان لوگوں کی عقل کے سامنے ایسا سامان رکھدیا کہ جسکی وجہ سے ان لوگوں کو اپنے برے یا بھدے اعمال عمدہ اور اچھے بن کر نظر آنے لگے۔

(4) فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ O(29/38)

ان کو راہ سے روک دیا۔حالانکہ وہ سب بصیرت سے کام لینے والے تھے۔

(5) وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (18/104)

اور وہ یہ سمجھتے رہے وہ بہترین کام یا صنعت یا ایجاد کررہے ہیں۔

(6)وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (7/30)

اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ یقیناً ہدایت پر عمل پیرا ہیں۔

ایسی سیکڑوں آیات خود ناظرین کے سامنے آجائیں گی جن سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ انسان عقل کی موجودگی ہی میں یا عقل ہی کے ذریعہ سے صحیح سمجھ کر غلطیاں کرتا رہا ہے۔ جب کہ معصومینؑ کی عقل کے متعلق رسوؐل پاک نے فرمایا ہے:۔’’ اللہ نے کوئی نبیؑ یا رسولؐ اس وقت تک مبعوث ہی نہیں کیا جب تک اس نے اس کی عقل کو مکمل نہ کردیا اور اس کی عقل اسکی ساری امت کی مجموعی عقول سے افضل ہوتی ہے۔اور جو فیصلہ یا عزم نبیؑ کے نفس میں ہوتا ہے وہ یعنی نبیؑ کا ذاتی خیال بھی کوشش کرنے والوں کی کوشش سے یا مجتہدین کے اجتہاد سے افضل ہوتا ہے۔اور کوئی بندۂ خدا اللہ کے فرائض کو پورا نہیں کرسکتا۔جب تک کہ نبیؑ سے عقل حاصل نہ کرے یا نبیؑ کی عقل سے کام نہ لے۔‘‘(اصول کافی۔کتاب العقل صفحہ 11)

(3) صحیح العقیدہ اور درست عمل مجتہدین میں سے زیادہ تر حضرات کا عقیدہ اور عمل مقلدین کو معلوم ہی نہیں جن حضرات نے اپنے عقائد تحریر فرمائے ہیں ان میں سے علامہ محمد حسین ڈھکو نجفی مجتہد صاحب کی مثال ہی کافی ہے۔توحید،قرآن رسالت مآبؐ،آئمہ معصوؐمین،عزاداری سے متعلق بیانات پڑھیئے اور سر دھنیئے۔رسوؐل پاک نے فرمایا کہ’’اگر تم میں سے دو گروہ درست رہے تو پوری امت ٹھیک رہے گی۔اور اگر وہ دونوں گروہ برسر فساد آگئے تو پوری امت فساد میں مبتلا ہوجائیگی۔پوچھا گیا کہ حضوؐر وہ دونوں گروہ کون کون ہیں؟۔

فرمایا کہ فقہاء اور امراءؑ‘‘۔

(4) دیانت وامانت،عدل وانصاف سے متصف،دنیاوی قباحتوں سے مبرا

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے(نہج البلاغہ خطبہ نمبر 32) کہ انسان چار اقسام پر منقسم ہیں اس خطبہ میں انسانوں کو عملی حیثیت سے دو حصوں میں تقسیم کرکے یعنی ایک وہ گروہ جو ہمیشہ فساد پذیر رہتا ہے اور دوسرا وہ جو مفسدہ پردازوں کے عمل درآمد سے مشکلات میں مبتلا رہتا چلا جاتا ہے پھر مفسدہ پردازوں کی تین قسمیں کی ہیں

کامیاب و بے باک مفسدہ پرداز ان میں سے ایک گروہ تمام متعلقہ اسلحہ سے مسلح، تمام ضروری سامان سے لَیس ہوکر اپنے تمام معاونین کی پشت پناہی کیساتھ اپنے دین و قوانین کو نظر انداز کر کے منبروں کی بلندیوں اور قیادت کی اسٹیجوں سے ہمہ تن لوٹ مار میں مصروف ہے۔

کامیاب و متدیّن مفسدہ پرداز دوسرا گروہ وہ ہے جو: ''دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے آخرت سنور سکے۔ بلکہ اُس نے آخرت سنوارنے والے تمام کاموں کو حصول دنیا کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ اس غرض کیلئے ان لوگوں نے خود کو وقار و طمانیت کے لبادوں میں لپیٹ دیا ہے۔ آہستہ خرامی، نرم روش، فروتنی و متواضع صورت بنا کر، لباس سمیٹے ہوئے، دامن سنبھالے گزرتے ہیں۔ وضع قطع ایسی بنالی ہے کہ دیکھنے والے امانتدار خیال کریں ثقہ اور معتبر سمجھیں، صبر و قناعت اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ امانت و دیانت وغیرہ سے انکا کبھی تعلق نہیں رہا یہ جماعت اللہ کی پردہ پوشیوں کی آڑ میں گناہ پر کاربند ہے''۔

ناکام فتنہ پرداز: تیسرا گروہ وہ ہے۔ ''مفسدہ پردازوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو فتنہ و فساد سے صرف اس لئے رُکا رہتا ہے کہ ان کی شخصیت حقیر ہے۔ ان کے پاس اثر انداز ہونے والا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُنہیں ضروری وسائل حاصل ہیں۔ حصول مملکت کے عزائم مگر اسباب کا منقطع ہو جانا اُن کے گھروں میں بیٹھ رہنے کی وجہ ہے۔ اُنہوں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے''۔

اس تقسیم اور واضح تفصیلات کی روشنی میں عوام کیسے معلوم کرے کہ فلاں عالم یا مجتہد دیانت و امانت میں کامل درجہ رکھتا ہے۔ عادل بھی ہے منصف بھی ہے اور دنیا کا طالب و فاسق نہیں اور رشوت بھی نہیں لیتا؟

(5) برائیوں سے پاک اور بری الذمہ: کسی بھی شخص کیلئے نہ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ برائیوں سے پاک اور بری الذمہ ہے سوائے معصومین علیہم السلام کے۔ یہ اوصاف یقیناً معصومؑ ہستیوں کیلئے ہی مختص ہیں مذہبِ شیعہ میں اسی بنیادی وجہ سے صرف معصومینؑ ہی واجب الاطاعت واجب الاتباع ہیں۔ اسی لئے اس مذہب نے پہلی تینوں خلفاء کو واجب الاطاعت نہیں سمجھا۔ عوام کی راہنمائی کی جائے کہ برائیوں سے پاک اور بری الذمہ یعنی معصوم عالم / مجتہد کہاں سے ڈھونڈے؟

(6) آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے ان کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم

علامہ حائری صاحب ''رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہاد'' میں فرماتے ہیں

۔'' جب یہ بات واضح ہوگئی۔ تو یہ بھی سمجھ لے کہ اجتہاد کا عہدہ اور جماعت کی امامت کرنا اور اسی طرح کے امت کی راہنمائی کے دوسرے کام کرنا خلافت اصلیہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی نیابت کے ماتحت ہے ۔لہٰذا اس قسم کی نیابت اور اجتہاد کے عہدے پر بھی کوئی شخص مقرر نہیں ہوسکتا خواہ وہ علم ودیانت وعدالت میں درجہ کمال ہی کیوں نہ رکھتاہو۔ سوائے اسکے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے اسکے مقرر کئے جانیکا واضح حکم موجود ہو۔ اوراس زیر نظر اجتہادی قیادت میں اس واضح اورخاص نصّ کا مطلب کسی مسلّم الثبوت مجتہد کی اجازت لیاجائے گا ''۔(یعنی ایک ثابت شدہ مجتہد کا حکم آئمہ معصوّمین کا واضح حکم سمجھا جائیگا)پہلے والے مجتہد ین کی اجازت بعدوالے مجتہدین کیلئے ہمارے زمانے سے لیکر جناب شیخ ابوجعفر طوسی تک اورطوسی کیلئے شیخ مفید کی اجازت اورشیخ مفید کیلئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اجازت جو آخری زمانہ کے امامؑ ہیں۔ اور انکے بعدابن بابویہ کیلئے ان کے اپنے والد کی اجازت اورقم کے بزرگوں کی اجازت ۔اورقم کے بزرگوں کیلئے حضرت حجۃ علیہ السلام کی اجازت اورجناب حسن عسکریؑ اوران کے والد علیہماالسلام کی طرف سے فتویٰ دینے اور احادیث بیان کرنے کی اجازت حاصل ہوئی تھی لہٰذا ہروہ مجتہد جو صاحب اجازہ تھا حقیقتاً مذکورہ واسطوں کے ذریعہ سے باضابطہ آئمہ علیہم السلام کا خاص حکم اوراجازت سمجھی جائے گی ۔ بلااجازت احقاقِ اجتہاد میں جھگڑاہے ۔(رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہاد)

آئمہ علیہم السلام کی نیابت کے لئے کیسا حکم درکار ہے؟ علامہ کے حقائق

ان تمام مذکورہ واسطوں سے نیابت اور مقرر کئے جانے کا حکم شیخ مفید اور قم کے بزرگوں تک پہنچتا ہے ۔ان حضرات کو حضرت امام مہدی علیہ السلام اور جناب حسن عسکری علیہ السلام اور انکے والد علیہ السلام کی طرف سے نیابت اجتہاد اور فتویٰ دینے کی اجازت حاصل ہوئی تھی ۔

اس پورے بیان میں علامہ صاحب نے کہیں بھی واضح حکم کی طرف راہنمائی نہیں فرمائی۔ بلکہ ''خاص حکم اور اجازت سمجھی جائے گی ''تحریر فرما

کر تمام معاملہ مشکوک کر دیا ہے۔قوم کے قلب و ذہن میں پیدا ہونیوالے اس شدید ہیجان کو دور کرنے کیلئے ان علماء حضرات کی منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ حکم حضرت مہدی آخرالزمانؑ وحضرات عسکریینؑ کا وہ حکم پیش کریں جس میں مجتہدین کو نیابت ،اجتہاد یعنی اجتہادی فتاویٰ دینے کی واضح اجازت دی ہو ظاہر ہے کہ مجتہدین حضرات کی اطاعت بقول خود واجب ہے لہذا آئمہ معصومین علیھم السلام کے حکم میں یہ جملہ ہونا چاہئے کہ ''مجتہد ہمارے نائب ہیں اوران کی اطاعت واجب ہے''۔پھر آئمہؑ اور مجتہدین نیز شیعوں کے نزدیک واجب الاطاعت وہی ہوتا ہے جو خاطی نہ ہو ورنہ غلط حکم کی اطاعت بھی واجب ہو جائیگی جو عقلاً وشرعاً باطل ہے۔لہذا حکم میں یہ جملہ بھی لازم ہے کہ ''مجتہدین معصوم ہیں لہذا وہ جو بھی حکم دیں واجب الاطاعت ہیں'' پھر مجتہدین اپنے احکام کی بنیاد میں اجماع اور عقل کو بھی شامل کرتے ہیں لہذا حکم میں یہ جملہ بھی ہونا چاہئے کہ ''قرآن وسنت وحدیث کے علاوہ اجماع اور عقل سے دیا ہوا حکم بھی واجب الاطاعت ہے'' یا یہ جملہ کہ ''مجتہدین کا اجتہادی حکم بھی واجب الاطاعت ہے''۔پھر مجتہدین اپنی عقل کو درجہ کمال پر کہتے ہیں لہذا حکم میں اس دعویٰ کی تصدیق بھی لازم ہے۔

(7) نہایت افسوس اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ مجتہد جامع الشرائط کیلئے یہ شرط موجود نہیں ہے کہ مجتہد قرآن وحدیث میں سے حکم یا فتویٰ دے گا۔اور قرآن اور رسولؐ کی حدیث کے خلاف اجتہاد نہ کرے گا۔

<u>جاہل عوام کیسے پتہ لگائیں کہ فلاں شخص مجتہد ہے؟۔</u>

جناب علامہ السید علی مجتہد ابن مجتہد ابولقاسم صاحب اس طرح سوال قائم کرتے ہیں کہ:۔

'' عوام جو جانوروں اورچوپائوں کیطرح ہوتے ہیں ۔کس طرح اجتہاد کا اورعقائد واعمال وعدالت وامانت ودیانت کا پتہ لگائیں اورکس طرح یقین کریں کہ فلاں مجتہد برائی سے پاك اوردور ہے۔ اوران پر کس طرح یہ ثابت ہو کہ وہ فتویٰ دینے اوراحکام تیارکرنے اورنماز کی جماعت کرانے کا حق دار اورواجب الاتباع اورمرجعُ خلائق ہے ۔ جب کہ عوام زمین کے کیڑوں مکوڑوں کیطرح ہوتے ہیں۔ اورقوت عقل وادراك نہیں رکھتے ہیں ''۔(رسالہ التنقید)

علامہ صاحب اس الجھن کا حل پیش کرنے کے لئے رقم طراز ہیں کہ:۔

<u>جواب۔</u>''چند وجوہ کے ساتھ عقیدہ ، دیانت وعدالت واجتہاد مجتہد کی صحت دریافت اورثابت ہوتی ہے ۔پہلے یوں کہ اہل خبرہ کے عادل ترین لوگ بلا اختلاف متفقہ گواہی دیں۔ دوسرے اہل خبرہ کی معاشرت پر تنقید کرنے سے ۔تیسرے یہ کہ مجتہد کا آزمائش اور امتحان کرکے معلوم کیاجائے ۔ چوتھے یوں کہ شریعت کا مسلمہ حاکم اپنی تقریر یا تحریر سے فیصلہ کردے ۔ پانچویں یہ کہ آئمہ اطہاؑر کی طرف سے عام اجازت کے تحت کہ مجتہدین زمانہ کی طرف رجوع کیا کرو جو واجب الاتباع ہوتے ہیں ''۔(رسالۃ التنقید)

مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور زیادہ الجھ گیا مثلاً مجتہد کے عقل کے مکمل ہونے کا امتحان کیسے لیا جائیگا ؟عصمت اور ہر برائی سے پاک ہونے کی پہچان کا تذکرہ نہیں۔مجتہد کی قابلیت جانچنے کے لئے کم ازکم اسے مجتہد بنناپڑے گا۔اس لئے کہ ایک میٹریکولیٹ کو جانچنے کے لئے میٹرک پاس ہی کی ضرورت ہے جاہل تو ایک کروڑ ہوں تب بھی یہ پتہ نہ لگاسکیں گے کہ فلاں شخص واقعی میٹرک،ایم اے یا مجتہد ہے۔عوام الناس جو چوپایوں کی طرح اور کیڑے مکوڑے اور عقل سے عاری وخالی ہوتے ہیں اور جنہوں نے تقلید کرنا ہے ان کے لئے تو اور بھی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں یعنی پہلے وہ یہ پتہ لگائیں کہ اہل خبرہ کون کون ہے پھر یہ معلوم کریں کہ اہل خبرہ واقعی مجتہد کی شخصیت سے واقف ہیں۔پھر یہ تحقیق کریں کہ آیا وہ سب آپس میں متفق ہیں یا نہیں۔پھر اہل خبرہ کے نقاد کا بھی پتہ لگانا ہوگا۔شریعت کے مسلمہ حاکم (کیونکہ حاکمِ شریعت بھی مجتہد ہی ہوگا) کیلئے بھی مندرجہ بالا پورا پروگرام دہرانا ہوگا کہ معلوم ہو کہ وہ حاکم شرع ہونے کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں اور جب مجتہد ہی کا پتہ لگانا ان کیلئے ناممکن ہے تو یقیناً حاکم شریعت کو جانچنا بھی ناممکن ہوگا۔علامہ صاحب نے قرآن کے خلاف نوع انسان کو جاہل چوپائے حشرات الارض کے درجے پر پہنچا دیا ہے تو ان پر سے تمام مذہبی پابندیاں بھی ختم ہوگئیں۔بقول مجتہد عقل وفہم کے بعد ہی دین کے احکام کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔لہذا ان سے مجتہد کی تقلید واطاعت ویسے ہی ساقط ہوگئی۔

علامہ صاحب نے پوری نوع انسان کی توہین کی ہے۔اورانہیں حشرات الارض بنا کر خود کامل اور عاقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔خدا نے تو فرمایا ہے:۔

''ہم نے یقیناً تمام بنی آدمؑ کو مکرم ومعزز بنایا اورانہیں بحروبر پر اٹھائے اور لئے پھرے انہیں طیبات فراہم کیں اوراپنی مخلوق کی کثرت پر فضیلت عطا کی'' (بنی اسرائیل (17/70

تمام بنی نوع انسان اس تذلیل وتوہین پرعلامہ کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔

''نظریہ اجتہاد'' کے حق میں اوراختلاف میں دلائل

اس سے پہلے کہ نظریہ اجتہاد کے حق و اختلاف میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کئے جائیں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اجتہاد وتقلید کے اصطلاحی تعریف Definition کو دوبارہ پڑھ لیں اور ذہن نشین کرلیں۔اس تعارف کے بعد جو حاصل ونچوڑ یا مقدمہ سامنے آتا ہے۔درج ذیل ہے۔

دعاوی/مقدمات

1۔کیا بعض احکام،معاملات کے فیصلے،بعض حالات واشیاء کی تفصیل قرآن،حدیث اور سنت میں موجود نہ ہے؟

2۔اگر کوئی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں قرآن وحدیث اور سنت میں نہیں ملتا یعنی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو کیا اس مسئلہ کو باقی ماندہ دلائل اربعہ یعنی اجماع اور دلائل عقلی کے ذریعہ سے استنباط یعنی اخذ کیا جاسکتا ہے؟

3۔کیا وہ اخذ کیا ہوا حل یعنی استنباطی حل (علم یقین سے نہیں بلکہ ظنی علم سے حاصل کردہ حل) یعنی اجتہادی فتویٰ حکم واقعی یعنی اللہ ورسوؐل وامامؑ کے حکم کا بدل ہوگا؟

4۔کیا عوام الناس پر لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہدین کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں۔اور بلا چوں وچرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں؟ خلاف ورزی قابل سزا جرم ہوگی اور نیک اعمال (نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ) بھی اللہ کے یہاں ناقابل قبول ہونگے؟

5۔کیا اجتہادی غلطی پر بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ملے گا؟

مقدمات کا ماحاصل

''غیبت کے زمانہ میں بلا امام زمانہؑ کی مدد اور توسط،بلا دلیل وماخذ بلا آیت وحدیث مجتہدین کو عام اجازت ملی ہو کہ تم اجتہاد واستنباط کرکے جو کچھ احکامات تمہیں قرآن وحدیث میں نہ ملیں وہ احکام نکال کرامت کو دیا کرو اور ان احکام کی تعمیل واجب ہے اور اللہ ورسوؐل کے احکام ہونگے۔جو ان پر عمل نہ کریگا جہنمی ہوگا۔اور مجتہد غلط حکم بھی دیگا تو بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ہوگا''۔

قارئین ایک بار پھر گذارش ہے کہ درج بالا مقدمات اور مقدمات کا حاصل باربار پڑھیں ذہن نشین واز بر کریں تاکہ دلائل وحقائق سمجھنے اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔آیئے دیکھتے ہیں کہ درج بالا دعاوی قرآن وحدیث سے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔ان دعاوی کے ثبوت اور بحث پر سب سے زیادہ ریکارڈ ''رسالۃ التنقید'' میں سے ملا ہے۔جو کہ

تین قرآنی آیات اور گیارہ احادیث اوران پر بحث پر مشتمل ہے۔جائزہ کیلئے قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

آیت نمبر1۔ فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

ترجمہ: ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو''

جواز:السید علامہ علی الحائری مجتہد:۔

۔''رہ گیا قرآن۔پس قرآن کی پہلی آیت یہ ہے۔''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو''۔اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔اول سوال کرو حکم کے انداز میں کہا گیاہے اصول فقہ میں حکم دینے والے الفاظ سے مخاطب کرنے کے لئے یہ طے شدہ بات ہے۔کہ یہ احکام فرض اور واجب ہوتے ہیں۔چنانچہ سوال کرو سے پوچھنا۔حاصل کرنا اور سوال کرنا اُن تمام لوگوں پر قیامت تک کے لئے واجب ہوگیا جن پر دین واجب ہے۔دوسری بات یہ کہ اُن تمام لوگوں پر جن پر دین واجب ہے۔اسلئے قیامت تک سوال کرنا واجب ہواہے کہ وہ لوگ نادان ہیں۔اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں جانتے۔تیسری چیز یہ ثابت ہوئی کہ تقلید صرف زندہ اہل ذکر کی کی جائے گی۔چونکہ مُردہ سوال اور جواب کی قابلیت ہی نہیں رکھتا۔چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماع اور حدیث سے نیز قرآن سے ثابت ہے کہ ذکر درحقیقت قرآن کا ہی نام ہے جیساکہ آیت ہے۔کہ ہم نے تمہاری طرف ذکر رسوؐل بھیجا۔اس حساب سے اہل ذکر سے مراد علمائے اہل قرآن ہیں حقیقت یہ ہے کہ اہل قرآن اور عالم قرآن کا استعمال صرف اُن لوگوں کے لئے ہوسکتاہے جوقرآن کے علم میں راسخ ہوں،ماہر ہوں،تجربہ کارہوں،اورقرآن کے علوم کے سمندر ہوں۔اس کی آیتوں کی اقسام پرمطلع ہوں۔جیسے محکم و متشابہ،ناسخ ومنسوخ عام

وخاص ومبہم ومجمل ومفصل ہیں ۔ پھر اس کی تنزیل سے تفسیر سے اورتاویل اورترتیل پر مطلع ہوں۔ اوراُس کے الفاظ وغیرہ کی تفہیم پر تفصیل کی حقیقت سے اور عملی طور پر اپنی ذاتی قوت سے آگاہ ہوں ۔ ہروہ شخص جوقرآن کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ کرسکتا ہووہ قرآن کا عالم یا اہل ذکر نہیں کہلا سکتا۔ لہذااہل قرآن کی صرف دوقسمیں ہیں۔تیسرا درجہ کوئی نہیں ہے۔

پہلا درجہ ۔ اہلبیتؑ نبوۃ وعصمت کے علماء کو حاصل ہے جو قرآن کی تنزیل وتفسیر وتاویل وترتیل وغیرہ کا کلّی وجزئی اورقطعی علم رکھتے ہیں اوراس حقیقت پر ساری امت مجموعی حیثیت سے متفق ہے ۔کسی ایک شخص کو بھی اس کے خلاف کہنے اورانکار کرنے کی مجال نہیں ہے ۔ اس لئے کہ متواتر اورکھلے کھلے فیصلے تمام حدیث کی کتابوں میں تمام اہل قبلہ نے درج کئے ہیں۔ اوریہ مانا ہے کہ اُن حضراتؑ کے پاس قرآن کے تمام علوم تفصیلی اورقطعی طورپر موجود تھے ۔خود بھی ان حضراتؑ نے باربار اصرار وتکرارکے ساتھ منبر کے اوپرسے مجمع عام اور ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اعلان کیا ہے۔کیوں کہ قرآن لفظی طور پر۔ ناسخ ومنسوخ اورمعنوی حیثیت سے نیز تنزیل وتفسیر وتاویل وترتیل سمیت ان کے گھرمیں نازل ہواتھا ۔ قرآن کے تمام علوم لفظ بہ لفظ بلا واسطہ محمد مصطفیؐ نے خاص طور پر اُنؑ کو عطا کئے تھے ۔ لہٰذا آئمہؑ قرآن کے ساتھی اورثانی قرآن ہیں حدیث ثقلین اس پر گواہ ہے۔ پس پہلے نمبر پر اہل بیتؑ نبوّۃاہل ذکرہیں اوروہی بالاتفاق تمام صحابہ وامت کے لئے واجب الرجوع اوراطاعت ہیں ۔ ہرحال میں ساری امت کو ان کی طرف رجوع کرنا ۔ دریافت کرنا اوراُن کی اتباع کرنا واجب ہے ۔ ہرزمانہ والوں پر۔ اُن میں کا دوسرا گروہ اُن کے بعد کے علماء ہیں ۔اورعلما کے بھی د و (2) درجے ہیں ۔پہلا درجہ بعض صحابہ میں سے عادل علماء کا ہے ۔ جیسے ابن عباس وابن مسعود ۔جو اہل قرآن اورمفسر قرآن لوگ تھے ۔اورواجب الاتباع تھے اورجوکچھ علمِ قرآن اُن لوگوں کورسولؐ اللہ سے ملا ،یاانہوں نے خود قرآن سے اخذکیا اس میں سے کچھ علم قطعی ہے۔ اورکچھ حصہ علم ظنّی ہے ۔

دوسرا درجہ امت کے عام علماء کا ہے۔ جس میں تابعین سے لے کر اس وقت تک تمام علماء شامل ہیں ۔اِن لوگوں نے اگرقرآن وحدیث سے علم اخذ کیا تھا ۔ تووہ علم ظنّی تھا۔ البتہ تابعین میں رائے اورقیاس بھی جاری ہوگیا تھا۔ا س لئے تابعین کا معاملہ اطمینان بخش نہیں ہوسکتا ۔انہوں نے حق اورباطل کو گڈمڈ کردیا تھا ۔علمائے امامیہ کے پاس جو کچھ علمِ قرآن آئمہ اطہارؑ سے پہنچا وہ بھی علم ظنّی ہے ۔

تنبیہ : جب یہ طے پاگیا توا س آیت کی رو سے اجتہاد اورتقلید بھی واضح ترین الفاظ میں کھل کر سامنے آگئے ہیں ۔یعنی تقلیدکا منشا کسی عادل مجتہد سے احکام دین معلوم کرکے عمل کرنا مذکورہ انداز میں ثابت ہوگیا ۔ چونکہ سوال وجواب مُردہ سے نہیں ہوسکتا ۔اس لئے لازم ہے کہ ایک امین وعادل مجتہد زِندہ کی تقلید کی جائے جو شکر خداکہ قرآن سے ثابت ہوگئی ہے ۔ اگر یہ کہاجائے کہ چلو ہم نے زندہ عالم کی تقلید تومان لی ۔مگراس آیت سے عدالت کہاں ثابت ہوئی ؟اس کا جواب دوطرح سے ہے۔ اول یہ کہ آیت میں کہا گیا کہ میراعہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ہے ۔اس سے اصلی امامت کی عصمت اورفروعی امامت کی عدالت ثابت ہوجاتی ہے ۔ دوسرے۔ چونکہ قرآن میں احکام اورممانعتیں ہیں ۔گناہوں اور ثواب کا تذکرہ ہے۔ اچھے لوگوں کا بگڑنا اورفاسق وفاجر وگمراہ اورگناہ گاروں کیلئے پکڑ اورعذاب تفصیل سے موجود ہے۔پس وہ شخص جو اہل قرآن اورقرآن کی کلّیات جزئیات کاعالم ہو ۔ یہ تقاضہ ہے کہ اہل قرآن تمام ممنوعہ چیزوں سے منزہ ہو اورتمام احکام اور اچھائیوں کا فاعل اورعامل ہو ۔اسلئے کہ لفظ "اہل "عالم الغیوب اورعالم القلوب کی **زبان** سے اس کیلئے صادق آنا چاہئے ۔لہٰذا جو بھی اس صفت کاحامل ہوگا لازم ہے کہ وہ عادل ہو ۔

جواز پرتبصرہ: قارئین نے جوازغور سے پڑھ لیااس زیر بحث آیت میں نہ کہیں لفظ مجتہد اجتہاد آیا نہ کہیں مجتہد کی تقلید کا ذکر ہوا۔تو پھر جواز وجوب کی امید کیسے کی جائے علامہ صاحب نے اس آیت سے جو کچھ اخذ کیا وہ صرف اس قدر ہے۔

1) تمام انسانی معاملات،ضروریات واحتیاجات میں سے جس چیز کا علم نہ ہووہ اہل الذکر آئمہ اہل بیتؑ سے سوال یا دریافت کرلیا کرواوراُنؑ حضرات کے احکام کی تعمیل قیامت تک واجب ہوگئی ہے۔

اس آیت میں کہیں بھی اہل الذکر کی دوقسمیں بیان نہیں ہوئی ہیں نہ کہیں شبہ کی گنجائش ہے کہ جن اہل الذکر سے سوال کرنے کیلئے کہا گیا ہے وہ کبھی کسی حالت میں موجود نہ رہیں گے اورسوال کرنے والے موجودرہ جائیں گے ۔ بلکہ علامہ صاحب نے خود مان لیا ہے کہ اہل ذکر قرآن کے ساتھی ہیں ۔اورحدیث ثقلین کے ذکر سے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن اوراہل ذکر ساتھ ساتھ رہیں گے اورایک لمحہ کیلئے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے ۔ایسی صورت میں تا قیامِ قیامت سوال کرنے والوں کو جواب سے محرومی نہ ہوگی۔

2) اہل ذکرؑ کے علاوہ ہرانسان اور ہرزمانہ کا آدمی سوال کرنے والوں میں داخل ہے لہذا معلوم ہوا کہ کل انسان دوقسم کے ہیں ایک وہ جوسوال کرنے کی احتیاج سے کبھی

خالی نہ ہوں گے اور ایک وہ جو کسی سوال کا حقیقی جواب دینے سے کبھی عاجز نہ ہوں گے۔

مجتہد حضرات میں سے کسی نے بھی کہیں ہمہ دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ علامہ صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ تابعین سے لے کر اس وقت کے تمام علماء کا علم ظنی تھا اور ساتھ ہی قرآن وحدیث سے جو علم ان کو حاصل ہوتا ہے اسے بھی ظنی کہا مگر قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ:۔

''ظن وگمان سے حق کا شائبہ تک بھی حاصل نہیں ہوتا'' (10/36)

یعنی علامہ کے مطابق قرآن وحدیث کو بھی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے (معاذ اللہ)

3) علامہ صاحب نے آئمہ معصومین علیھم السلام کا مقام بلند بیان کیا۔لیکن انؑ کے عصمت کی آڑ میں مجتہدین کو بھی معصوم بنانے کی کوشش کی۔

علامہ صاحب کی بے سروپا اور غلط باتیں

علامہ صاحب نے قرآن کی آیت اور آئمہ علیھم السلام کی آڑ میں جو کچھ مغالطہ دیا ہے اور اپنے مقلدین سے جو غلط باتیں منوانے کی کوشش کی ہے درج ذیل ہیں۔

(1) سوال کرنے کو تقلید فرض کر لیا حالانکہ ہر سوال کے جواب پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ مثلاً ہم نے زمین کی شکل پر سوال کیا۔ جواب میں بتایا گیا کہ زمین گول ہے۔ پس ہمیں اطلاع ہوگئی اب یہ ضروری نہیں کہ تقلید کر کے ہم خود گول مول ہو جائیں۔ لہذا سوال واجب ہونے اور نہ ہونے سے تقلید کا کوئی تعلق نہیں ہے

(2) اصول فقہ میں کیا طے کیا گیا؟؟ بات قرآن کے احکام کی ہے اصول فقہ ہوں یا نہ ہوں قرآن کے تمام احکام کی اطاعت واجب ہے۔

(3) علامہ صاحب نے جواب میں ایک آیت ''ارسلنا الیکم ذکرا رسول'' تحریر کی ہے قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جو آیت قرآن میں ہے وہ یوں ہے ''قد انزل الیکم ذکرا ○رسول یتلوا علیکم آیت اللّٰہ'' (65/10-11)

ترجمہ: یقیناً اتارا اللہ نے تمہاری طرف وہ ذکر جو رسوؐل ہے۔ جو تلاوت کرتا ہے تم پر اللہ کی آیات'' قرآن کا بھی ایک نام ذکر ہے مگر جس آیت کو اس بحث کے لئے اختیار کیا ہے وہاں قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو ذکر فرمایا ہے۔

(4) اہل ذکرؑ یا اہل بیتؑ کی اس پوزیشن پر جو علامہ صاحب نے لکھی ہے'' ساری امت متفق ہے اور یہ کہ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی انکار کر سکے '' پہلے نمبر پر تو خود شیعوں کے مجتہدین ہی اس پوزیشن پر متفق نہیں ہیں۔ علاوہ ان کے سینکڑوں علماء اہل خلاف نے بڑی بڑی کتابوں میں اس پوزیشن کی مخالفت اور اس کا کھل کر انکار بھی کیا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے امامت کا مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''لا ینال عھد الظلمین'' (2/124) ''امامت تیری ذریت میں سے کسی ظالم کو نہیں ملے گی'' اس آیت سے اگر اہلبیتؑ کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور مجتہدین بھی کسی طرح امامت میں شریک ہیں تو انہیں بھی معصوم ماننا چاہئے تھا۔لیکن وہ سب بقلم خود خاطی مانتے چلے آئے ہیں۔لہذا علامہ مجتہد صاحب نے آئمہ اہل بیتؑ کی آڑ میں مجتہدین کی عدالت کو آیت کے خلاف لکھا۔آیت تو اپنے اندر دوہری نفی رکھتی ہے۔ پہلی نفی یہ ہے۔ کہ امامت ذُرّیت ابراہیم علیہ السلام کے باہر کسی اور ذُریت، نسل یا قوم کو نہ ملے گی۔ دوسری نفی یہ ہے، کہ جو سچ مچ اللہ ورسولؐ کے نزدیک ذُریت ابراہیمؑ سے ہونگے اُن میں بھی ہر کسی کو یہ امامت نہ ملیگی۔ بلکہ صرف اُن لوگوں کو ملیگی جو کسی حال میں کبھی بھی کوئی غلط عمل یا غلط خیال نہ کریں۔ یہ ظلم اور ظالم کے حقیقی معنی ہیں ۔لہذا اس آیت سے امامؑ اور امامت محض معصومین علیھم السلام میں محصور ہے۔

(6) علامہ صاحب نے یہ نہیں بتایا نہ کوئی آیت لکھی کہ فرعی یا فروعی امامت کیا ہوتی ہے؟ اس کا جواز کہاں ہے؟

(7) صحابہ ابن مسعود اور ابن عباس اور ان ایسے دوسرے صحابہ کے پاس علم حقیقی کا دبی زبان میں اقرار کیا ہے اور ان لوگوں کو واجب الاطاعت بتایا ہے۔ اصول کافی میں ان حضرات کا صحیح حال موجود ہے۔ نہج البلاغہ بھی ان کا پردہ فاش کرتی ہے۔ مذہب شیعہ میں اہل بیت کے سوا بعد رسوؐل کوئی شخص واجب الاطاعت نہیں۔

(8) علامہ صاحب کی پوری بحث میں کہیں تقلید کا لفظ نہیں آیا نہ اس پر بحث کی نہ کوئی آیت دکھائی اور جو کچھ کہا وہ قیاسات کے ماتحت کہا یعنی سوال کرنے کا حکم قیامت تک کے لوگوں پر واجب ہے۔ لہذا تقلید واجب ہے۔ آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت واجب ہے لہذا مجتہد کی تقلید واجب ہے اور مجتہد کی اطاعت بھی واجب ہے۔ آئمہؑ معصومین ہیں، اُن سے غلطی ناممکن ہے۔ لہذا مجتہدین عادل ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی ہی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ انسان قوتِ کلام رکھتا ہے۔ لہذا میں مجتہد ہوں۔ گدھے

گھوڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں اسلئے تقلید واجب ہے۔ چاول کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ لہٰذا زمین گول ہے۔ اور آخری بات یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کا انتقال ہو گیا لہٰذا میں نبی ہوں۔ اور بڑے رعب داب سے لکھ دیا کہ

"پس بموجب ایں آیت اجتہاد و تقلید باوضع عبارت واضح شد"

آیت (2) اعلمیت، استنباط

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ والی اولی الامر منهم لَعَلِمَهُ الّذین یستنبطونه منهم

جواز: السید علی الحائری مجتہد:

1۔ کیا کسی مجتہد کو باقی تمام مجتہدین سے زیادہ عالم یا اَعْلَمُ قرار دیا جاسکتا ہے؟ (2) اعلم اور اعلمیت مشہور کی ہوئی بات تو ہے۔ لیکن اس کا مکمل ثبوت دینا مشکل ہے (3) دوسری آیت یہ ہے کہ اگر اُن لوگوں نے اُس امر کو اللہ اور اولی الامر کیطرف رد کردیا ہوتا تو اُن لوگوں میں سے جو لوگ استنباط کرلیتے ہیں۔ اللہ اور اولی الامر کی طرف سے صحیح علم ہو جاتا (۸۳/۴)۔ (4) اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہیں۔ (5) پہلی یہ کہ رد کرنا رجوع کرنے اور کسی کو کوئی چیز بھیجنے کے ہیں۔ (6) چنانچہ لغت مصباح منیر میں مثال ہے کہ میں نے اسکی طرف اس کا جواب رد کر دیا یعنی میں رجوع ہوا اور اُسکا جواب اسے بھیج دیا (7) دوسری چیز یہ کہ اولی الامر اپنے تعلق میں لفظ اِمرة اور اِمارة سے متعلق ہے۔ الف کے نیچے زیروں کیساتھ اسکے معنی ولایت کے ہیں۔ لہٰذا وہ امیر کے معنی ہوں گے۔ اور امیر کی جمع امراء ہے (8) اور لُغت میں اولی الامر کے معنی ریاست کے مالک اور حاکم کے ہوتے ہیں۔ (9) اور مناظرہ کرنیوالوں کے نزدیک خِلافت واِمارت جنکے پہلے حروف کے نیچے زیر ہوں، کے معنی اللہ کی وہ حکومت ہے۔ جو عوام پر براہ راست اللہ کے قول یا کسی مخصوص حکم سے قائم ہوتی ہے۔ جیسے نبیؐ کی حکمرانی یا نبیؐ کی طرف سے نبیؐ کی جگہ تمام دینی ودنیاوی معاملات میں تمام نوع انسان پر حاکم ہونا (10) مجتہد اولی الامر اُن ہی معنی میں ہوتا ہے جِن معنی میں ایک صاحبِ حکم واختیار بادشاہ ہوتا ہے۔ (11) اسلئے کہ وہ امام کی جگہ دین ودنیا میں امام کی ریاست کا حاکم ہے (12) تیسری چیز یہ کہ استنباط استفعال کے باب اور وزن پر بنا ہے۔ الفاظ کی بحث میں یہ نبط ونبوطا سے ماخوذ ہے۔ یعنی جوہری کے نزدیک اس کے معنی چشمہ میں سے پانی کا جوش مارنا ہیں۔ (13) استنباط یعنی کسی چیز کو جدوجہد کرکے حاصل کرنا (14) چنانچہ لغت کی کتاب مصباح اور مجمع البحرین میں ہے کہ استنباط ہی کو اجتہاد کے ذریعہ حاصل کرنا کہتے ہیں۔ (15) اور عرف عام میں جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ کسی مجتہد کا کتاب اللہ اور سنت نبیؐ سے حکم خداوندی کو اجتہاد کے ذریعہ سے حاصل کرنا۔ (16) جب کہ یہ واضح ہو گیا تو مقلد کا تقلید کرنا اور مجتہد کا اجتہاد کے ذریعہ علوم کا استنباط کرکے حاصل کرنا اس طرح نمایاں اور ثابت ہو گیا کہ کسی بھی شخص کو انکار کرنے کی مجال نہیں ہوسکتی۔ (17) چونکہ عوام میں یہ قوت باوجود ترغیب کے بھی نہیں ہوتی کہ وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ اللہ سے استنباط کرکے احکام اخذ کرسکیں۔ (18) پس عوام تمام ان احکام میں جو مجہول اور انہیں معلوم نہیں اپنے امیر کی طرف رجوع کریں گے۔ (19) اور اُن کا امیر وحاکم وہ مجتہد ہے جو اپنی ملائکہ صفت قدرت اور تجربہ کے باوجود اُن ہی کی نوع میں سے ہوتا ہے۔ (20) تاکہ وہ مجتہد اللہ کے حکم اور اس کی منشاومراد کو دلائل کے ذریعہ اُن ماخذوں سے استنباط کرکے انہیں بتائے اور وہ اُن احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ تبصرہ (21) یہ آیت خاص طور پر اجتہاد اور تقلید پر عمل کرنے کے بارے میں ہے (22) کیونکہ جو لوگ رداور رجوع کرنیوالے ہیں وہ سوال کرنے اور تقلید کرنیوالے عوام ہیں۔ اور استنباط یا مسائل اخذ کرنیوالے زندہ موجود مجتہدین کو کہا گیا ہے (23) مجتہدین کے پاس جو علم استنباط سے حاصل ہوگا وہ علم یقینی نہیں بلکہ ظنّی ہوگا (24) اسلئے مجتہدین کبھی غلط اور خطاکار ہوں گے اور کبھی صحیح فیصلہ کرسکیں گے (25) یعنی معصوم نہ ہونے کی بناء پر بھول چوك اور خطا ان سے صادر ہوگی اور صحیح سمجھنے کے بجائے ڈگمگا جانا ان کیلئے ممکن ہوگا۔ (26) لہٰذا ان کی خطائوں اور بھول چوك ڈگمگانے والے احکام میں آئمہؑ معصومین شامل نہیں ہیں۔ (27) اور یہ بھی کہ آئمہ علیہم السلام کے علوم اسلئے قطعی اور یقینی ہیں کہ وہ صاحب وحی محمدبن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست بلاواسطہ حاصل ہوئے ہیں۔ اور وہ علوم کلّی طور پر وجزئی حیثیت سے ایک ایسے مکمل ہیں کہ اب آئمہ اہل بیتؑ کو کسی جدید استنباط اور اجتہاد کی احتیاج نہیں رہی ہے (28) اور اگر ہم یہ مان لیں کہ آئمہ علیہ السلام نے بعض احکام استنباط کرکے اجتہاد کے ذریعہ سے دئیے ہیں۔ (29) اور چونکہ یہ طے شدہ بات ہے۔ کہ استنباط کے ذریعہ سے جو مسائل اخذ کئے جاتے ہیں وہ علم ظنی کہلائیں گے۔ (30) لیکن چونکہ آئمہ علیہم السلام کی عصمت ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اسلئے اُنکے اخذ کردہ احکام خواہ ظنّی ہی کیوں نہ ہوں ان میں خلل، غلطی، ڈگمگا جانا وغیرہ ذرہ برابر ممکن نہیں ہے۔ اُنکے معاملہ میں غلطی کا دخل تاقیامت ممکن نہیں ہے۔ پھر اللہ زیادہ جانتا ہے۔

جواز پر تبصرہ: علامہ صاحب نے جس قدر بحث لغت،، متکلمین اور عرف عام کی ذیل میں کی ہے وہ سو فیصد صحیح ہے۔لیکن علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ مندرجہ بالا آیت کے مضمون سے اجتہاد اور مجتہد کی تقلید اور بادشاہت یا نبی اور امام کی جانشینی اور عوام پر حکومت ثابت ہے۔ یہ ہرگز آیت کے اندر مذکور ہے نہ آیت سے ثابت ہے۔نہ آیت میں کہیں حکومت الٰہیہ کی تفصیل،اجمال یا ذکر ہے۔نہ اس کے قائم ہونے کا تذکرہ ہے۔نہ ہی یہ ذکر ہے کہ مجتہد کس طرح استنباط کرتا ہے۔نہ اُس کے ماخذوں کی بات ہے۔نہ عوام زیر بحث آئے نہ اُن کی بے بضاعتی پر نظر ڈالی گئی۔نہ اُن کو مجتہد سے رجوع کرنے کا حکم ہے۔نہ وہاں آئمہ علیہم السلام کی عصمت کا بیان ہے۔نہ ہی مجتہد کے لئے یہ سند ہے کہ کبھی کبھی اُس کے اخذ واستنباط کردہ احکام صحیح ہوں گے۔نہ مجتہد کے زندہ ہونے کی فکر ہے۔نہ مرنے کی پرواہ ہے۔نہ اس اتہام کا شائبہ ہے کہ آئمہؑ اہل بیت بھی کبھی اجتہاد کریں گے۔

علامہ صاحب نے اس آیت کا نہ پہلا حصہ لکھا اور نہ ہی آیت کا آخری حصہ ضروری سمجھا۔جیسے **لا تقربوا لصلاۃ** ''نماز کے قریب نہ پھٹکا کرو'' کی طرح اس آیت کے بیچ والے ٹکڑے کو مطلب کا ٹکڑا سمجھ کر قرآن سے اچک لیا۔غلطی یہ کی کہ اس کو واؤ سے شروع کیا مگر عقل مندی سے واؤ کا ترجمہ نہ کیا۔ورنہ واؤ سے شروع ہونے والا بیان تو یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس سے پہلے والے بیان کو ملا کر پڑھا یا دیکھا جائے۔

بہر حال قارئین کرام سے گذارش ہے کہ سورۃ النساء کی پچھتر ویں آیت کو ابتدا سے پڑھیں اور مسلسل پڑھتے ہوئے آیت زیر بحث 4/83 تک پہنچیں۔ہم اس آیت 4/83 کو اس ترتیب سے نمبر دے کر لکھتے ہیں جو ہر ہر جملہ کے پورے لفظی معنی دیکھنے میں مدد ہو۔ہمیں یقین کامل ہے کہ آیت خود ہی اپنی حقانیت منوانے کے لئے کافی ہوگی۔

(۱) اور جب پہنچتا ہے ان کے پاس (۱) وَاِذَا جَآءَ هُمْ

(۲) کوئی امر امن سے متعلق (۲) اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ

(۳) یا خوف سے متعلق تو (۳) اَوِ الْخَوْفِ

(۴) وہ گروہ اُس امر کو فاش کر دیتا ہے۔ (۴) اَذَاعُوْا بِهٖ

(۵) اور اگر وہ اُس امر کے متعلق رجوع کرتے۔ (۵) وَلَوْ رَدُّوْهُ

(۶) محمد رسول اللہ کی طرف (۶) اِلَى الرَّسُوْلِ

(۷) اور امر والوں کی طرف جو مسلمانوں ہی میں سے ہیں تو (۷) وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

(۸) یقیناً صحیح علم حاصل ہو جاتا اس گروہ کو جو (۸) لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

(۹) اجتہاد یا استنباط کرتا ہے مسلمانوں میں سے امر کے متعلق (۹) يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

(۱۰) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت (محمدؐ) روک نہ ہوتے۔

(۱۰) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

(۱۱) تو ضروری تھا کہ چند مسلمانوں کے سوا تمام مسلمان شیطان کے قدم بہ قدم چل دیئے ہوتے۔ (۱۱) لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا O (۴/۸۳)

قارئین نے دیکھ لیا کہ یہ آیت اجتہاد کے جواز کی بجائے خود اس نظام کی مذمت کرتی ہے آیت زیر بحث سے پہلی آیات میں اسی گروہ کی ذہنیت،عمل درآمد طاغوتی ولایت وقیادت کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے۔اور آخر میں اس گروہ کو روشناس کرانے کے لئے رسوؐل اللہ اولی الامر اور مسلمانوں سے الگ ایک جماعت ثابت کر دیا ہے۔

نہایت دکھ کی بات ہے کہ جب مجتہد کو اولی الامر،صاحب حکم واختیار بادشاہ اور امام کی جگہ دین ودنیا میں امام کی ریاست کا حاکم بنانا تھا تو آئمہ معصومینؑ کی عصمت بیان کر دی آخر میں جب خلعت شاہی پہنادی تو انہی آئمہ معصومینؑ (اولی الامر) کو رسوؐل اللہ کی صف میں مقام بلند سے پکڑ دکڑ کے استنباط کرنے والوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔اب قوم کو یہ بتانا علامہ صاحب کی ذمہ داری ہے کہ اگر یہ حضراتؑ بھی استنباط کرنے والے ہیں تو اولی الامر کون ہوگا؟؟؟؟

آیت 3۔سورہ توبہ وما کان المومنین لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلّھم

یحذرون۔

جواز۔علامہ السید علی الحائری مجتہد

یعنی مومنین کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ سب روانہ ہو جائیں۔ لیکن اُنکے ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں روانہ نہیں ہوتی تاکہ وہ علم فقہ اور دانش حاصل کرے دین کے متعلق۔ اور تاکہ واپس آکر وہ اپنی قوم کو ڈرائیں تاکہ شائد وہ ڈر جائیں خدا کے عذاب سے۔ چنانچہ اس آیت سے بھی چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دین کا تفقہ اور اس کا درسی حیثیت سے حاصل کرنا واجب کفائی ہے۔ نہ واجب عینی ہر اُس شخص پر جس پر دین واجب ہو۔اس لئے عوام پر علم حاصل کرنا واجب نہیں ۔ اسلئے کہ وہ عوام ہونے کی وجہ سے معذور ہیں ۔

دوم۔واپسی کے بعد اُس ان پڑھ اور عوام کے گروہ کی تنذیر کریں ۔ لہٰذا علم فقہ حاصل کرنے والوں پر قوم کی تنذیر واجب عینی ہوئی ۔

سوم ۔ماموارات و ممنوعات کا ذکر سے تنذیر کرنا اور اللہ کے احکام پہنچانا عموماًامر و نہی کرنا ہی ہے ۔اور اس تنذیر کا تعلق استنباط اور فتویٰ دینے سے ہے ۔ کیونکہ مجتہد بلا ذکر و بلا آیت و حدیث کی دلیل سے بلا ماخذ بتائے بات کرتا ہے ۔ اور اُس کیلئے اِسکے بغیر چارہ ہی نہیں ہے ۔لہٰذا منذر یا تنذیر کرنیوالے کا اجتہاد کرنا ثابت ہو گیا ہے ۔ کیونکہ جب تک علم میں راسخ نہ ہو اُسکے لئے اوامر و نواہی اور استنباط اور نقل پیش کر سکنا مشکل ہے۔ اور اگر کرے تو اسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ چہارم ۔شائدکہ وہ ڈ ر جائیں قوم کی تقلید پر دلیل ہے۔ اسلئے کہ وہ لوگ سر جھکا کرصرف اللہ کے احکام بلادلیل و بلا ماخذ سنتے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ انہیں خدا کا خوف ہے۔ ورنہ وہ بلا دلیل و برہان اور بلا ماخذڈرانے والے کی باتیں نہ سنتے اور نہ عمل کرتے۔اورخود یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ ماخذ وغیرہ دریافت کریں اسلئے مقلد ہیں تقلید ثابت ہو گئی اجتہاد و تقلید کے ثبوت میں بہت سی آیات ہیں۔مگر ان اُوراق میں انکی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے ۔''

جواز پرتبصرہ: علامہ صاحب کی اللہ اور قرآن پر تہمتیں۔علامہ صاحب نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس آیت 9/122 میں اللہ وقرآن پر درج ذیل تہمتیں لگائی ہیں۔

(1) اس آیت میں نہ پورے قرآن میں کہیں بھی دین کا تفقہ حاصل کرنا واجب کفائی نہیں ہے۔ یہ نہ صرف ایک تہمت ہے بلکہ اپنی قیادت قائم رکھنے کے لئے ایک بہت سنگین جسارت ہے جس سے عوام کو اللہ ورسول کے حکم کے خلاف جاہل رکھنے کا جواز پیدا ہوا ہے۔ قرآن اور رسوؐل اللہ نے بلا استثناء ہر مسلمان مرد وعورت پر حصول علم واجب وفرض کیا ہے۔ ایسے علامہ حضرات امت کو جاہل رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔اوراس ذمہ داری کو قرآن کے ذمہ لگاتے ہیں۔اگر ملت شیعہ میں محافل ومجالس مظلوم کربلاؑ نہ ہوتیں تو یہ قوم یقیناً اقوام عالم کے سامنے جاہل ترین قوم ہوتی۔

(2) قرآن کریم میں نہ اس آیت میں کہیں بھی ان پڑھوں اور عوام کو اس طرح ذلیل اور بے کار ومعذور قرار نہیں دیا گیا ہے۔

(3) اس آیت میں نہ قرآن میں کہیں تنذیر یا ہدایت کاری کے لئے عوام اور جاہل ہونے کی شرط لگائی نہ یہ کہا کہ تنذیر یا امر نہی بتانے والا فلاں درجہ کا عالم یا مجتہد ہو۔قرآن کی رو سے ہر درجہ کے آدمی کی تنذیر کی جاتی ہے اور جو جتنا جانتا ہے اسی قدر ناواقفوں کو بتانے پر مامور ہے یعنی تنذیر کیلئے نہ واپسی کی شرط ہے نہ درجہ اجتہاد کی فکر ہے۔

(4) قرآن میں کہیں بلا دلیل و برھان بلا ماخذ بتائے بلا آیت وحدیث پڑھے فتویٰ دینے کی اجازت یا ذکر نہیں ہے۔

(5) قرآن میں جگہ جگہ دلیل دینے اور دلیل مانگنے کا تقاضہ ہے اور بلا دلیل دین داری یا تقلید کو بے دینی اور کفر کا اسلوبِ حیات قرار دیا ہے۔

زیر بحث آیت سورہ توبہ 9/122

علامہ صاحب نے اس آیت کو صرف اس لئے اختیار کیا کہ اس میں لفظ ''لیتفقھوا '' آ گیا ہے۔تا کہ اس علم سے اس علم فقہ کی آڑ لی جائے جو دوسو سال بعد امام شافعی نے تصنیف کیا تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے آیت میں تحریف کر کے تحصیل علم فقہ کا اضافہ کر دیا اور دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کو علم فقہ بنا دیا۔ تا کہ ان کے زمانے کے لوگ اس علم فقہ کی تحصیل کو قرآن کو حکم سمجھیں۔

زیرنظر آیت میں ''وماکان المومنون '' کی جگہ ''وما کان المومنین '' لکھا۔عربی کے طلبہ یقیناً لطف اندوز ہوں گے کہ علامہ نے ''کان '' سے کیا اثر لیا ہے؟

ترجمہ آیت 9/122 مومنین کے لئے یہ تو واقعی ممکن نہیں کہ وہ سب کے سب خود کو اس ناپسندیدہ ماحول سے نکال لیں مگر ایسا کیوں نہ کیا گیا کہ ان کے ہر

طبقہ میں سے ایک جماعت الگ ہوکر نکل آتی تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتی اور جب پلٹ کر ان میں واپس جاتے تو اپنی اپنی قوم کو تنذیر کرتے تا کہ وہ غلط عمل درآمد سے باز آجاتے''۔

آیت کن حالات سے تعلق رکھتی ہے

قارئین پہلے یہ دیکھیں کہ یہ آیت واؤ سے شروع ہوتی ہے۔یعنی بات پیچھے سے چلی آ رہی ہے۔لہٰذا پیچھے پلٹ کر دیکھئے۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے والی آیت بھی واؤ سے شروع ہوتی ہے۔لہٰذا آپ وہاں پہنچ گئے جہاں سے بات شروع ہوئی ہے۔اور اس سے پہلے یہ حکم ملا ہے کہ مومنین تقویٰ اختیار کریں اور صادقین کی معیت اختیار کرلیں (یَـاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (۹/۱۱۹) اس کے بعد مدینہ اور مدینہ کے زیر اثر مسلمان باشندوں پر اعتراض کیا گیا کہ وہ سب رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر اپنی اپنی جانوں کی فکر میں مبتلا ہیں۔یعنی صادقین تو صادقین ہیں۔وہ لوگ مجسمہ صدق کا ساتھ بھی نہیں دیتے ہیں نہ معیت اختیار کرتے ہیں ۔پھر یہ کہا گیا کہ اس معیت کے اختیار کرنے میں جو بھی دِقت یا تکلیف ہوگی اُس کا بدلہ دیا جائیگا (۹/۱۲۰) اس سلسلے میں بھوک ، پیاس ، لوگوں کی دشمنی ،اخراجات اور دور ونزدیک کی مسافرت وغیرہ پر اجر دیا جائے گا (۹/۱۲۱) یہ سب کچھ فرمانے کے بعد اللہ نے صادقین کے ساتھ ہوجانے کا طریقہ بتانے کے لئے مذکورہ بالا آیت بیان کی ہے۔یعنی مجسمہ صدق رسولؐ اور **صــادقیــن اولـی الامـر** سے رابطہ اور صداقت میں راہ نمائی کے لئے یہ آیت ہے۔سب نے یہ سمجھا ہے اور صحیح سمجھا ہے کہ مسلمان جہاں جہاں بھی ہوں وہاں سے وہ علم دین حاصل کرنے کے لئے مرکز یعنی مدینہ میں آئیں گے۔اور پہلی آیات سے اہل مدینہ وگردونواح مدینہ کا حال معلوم ہوگیا ۔اُن لوگوں سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ یہی کہ رسولؐ اللہ کی مخالفت کرو۔ ان کی تحریک کا منشا الٹ دو۔ لہٰذا تنہا رسوؐل اللہ باقی رہ گئے ۔مگر صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم ہوا۔جس کے معنی واضح ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ اور ہستیاں بھی ہیں۔ جو رسوؐل کی مانند صادق ہیں۔اور صادق وہ ہے جو کاذب نہ ہو۔جس سے کذب کی نفی ہو جس کا کبھی بھی کذب سے تعلق نہ رہا ہو۔لہٰذا تمام مومنین جہاں بھی ہوں اُن پر واجب اور بقول علامہ واجب عینی ہے کہ وہ صادقین کے ساتھ رہیں ساتھ ہو جائیں ۔کذب وکاذبین سے بچیں اور صدق اختیار کریں نظام صدق کو ممکن العمل بنانے کے لئے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ مومن جہاں بھی ہیں وہ سب ایک دم سب کچھ چھوڑ کر نہیں نکل سکتے ۔مگر تھوڑے تھوڑے لوگ جو اپنی قوم کے حالات کو بدلنا چاہتے ہوں۔اور خود اس ماحول سے پیچھا چھڑا سکتے ہوں وہ کیوں نہ ایسا کریں کہ صادقین کے پاس آئیں اور حسب موقعہ واستعداد وضرورت احکام وہدایات لیں اور واپس جا کر اس قومی ماحول کی اصلاح کریں اور دوسروں کو یہاں بھیجیں۔ یہاں تک کہ تمام مسلمان علم دین سے آگاہ ہو جائیں اور متعلقہ اقوام مسلمان ہو کر اسی رابطہ میں مربوط ہو جائیں۔اور کفر وکذب وجہالت سے بچ جائیں ۔علامہ نے آبادی کی کثرت کے لئے آئے ہوئے جُملے **لعلّهم یحذرون** کے معنی بھی ''شاید کہ وہ ڈریں'' کردئے ہیں۔حالانکہ فرمایا گیا کہ ''اگر تم نے مندرجہ بالا عملدرآمد جاری رکھا تو اُن سب کے لئے اس ناپسندیدہ حالت سے بچ نکلنے کا موقعہ پیدا ہو جائے گا''۔اور اولین مقصد اُن اعمال سے حذر کرنا ہے۔ جو اقوام میں نام نہاد علماء نے پیدا کئے ہیں۔اُسی حذر کے لئے تھوڑے تھوڑے لوگوں کو بلایا جا رہا ہے۔کیونکہ سب کا ایک دم حذر کرنا یا بچنا ناممکن ہے۔ چند لوگوں نے حذر کیا۔حذر پر قائم رہنے کی تعلیم وقوت حاصل کی۔ واپس گئے اپنا تجربہ سنایا۔ دوسروں کو ہمت وقوت ملی۔انہوں نے حذر کیا اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہوگیا۔لہٰذا معصومینؑ ومرکز سے متحرک رابطہ برسرکار رقیادت قیامت تک جاری کرنا مقصود تھا۔نہ کہ عوام اور اُمیؐ بنا کر تقلید کے چکر میں مبتلا رکھنا۔علامہ صاحب نے یہ نقشہ کھینچا کہ ایک ٹولی لکھ پڑھ کر مجتہد بن کر چلی گئی بس جا کر اپنی تقلید بلا دلیل بلا سنت وقرآن جاری کردی اور چھٹی ہوگئی۔نہ اب مجتہد معصومؑ سے ہدایت لیگا نہ اسکے مقلد آئیں گے۔ **کــار دین تمام شد۔**

بہر حال اس آیت سے بھی ہمارے مقدمہ کا ایک جزو بھی ثابت نہیں ہوا۔

جواز میں پیش کردہ احادیث اور ان پر ناقدانہ نظر

پہلی حدیث:۔علامہ صاحب فرماتے ہیں:''۔جواب عقلی کی رو سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ البتہ نقل یعنی قرآن اور حدیث سے ثبوت یوں ہے ۔کہ مذکورہ بحثوں میں جو آیات مذکور ہو چکی ہیں۔ وہ عمومی اور وسیع مفہوم رکھتی ہیں۔ اور قیامت تک زندہ علماء کی طرف رجوع کا جواز ہی نہیں بلکہ رجوع کا واجب ہونا ثابت کرتی ہیں۔رہ گئے وہ ثبوت جن سے یہ ثابت ہو کہ غیبت کے زمانہ میں علماء کی طرف رجوع کرنا اور علماء کو آئمہ علیہم السلا م کا نائب سمجھنا واجب ہے ۔ اور یہ کہ علماء کو اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی حدیث

جس پر ساری امت متفق ہے۔ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ" میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں"اور اس حدیث کا منشاء اور غرض یہ ہے ۔کہ امت رسولؐ کو قرآن و حدیث کی تعلیمات اور احکام پہنچائے جائیں اور امت کو ترکِ احکام اور خلل اور ڈگمگانے اور جہالت سے محفوظ رکھا جائے۔ اور تمام علماء کو نبیوںؑ کے درجہ پر مقرر کیا ہے۔ لہٰذا ان کی طرف احکام حاصل کرنے کے لئے تمام عوام پررجوع کرنا واجب کر دیا گیا ہے۔

ناقدانہ نظر۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کے مانند ہیں"۔

بقول علامہ صاحب"جس پر ساری امت متفق ہے" یہ حدیث شیعوں کی احادیث کی کتابوں (کتب اربعہ) میں نہیں ہے۔ بہرحال ہم حدیث سے انکار نہیں کرتے اس حدیث میں لفظ علماء حضرات آئمہ علیہم السلام کے لئے اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام (روحی لہ الفدا) فرماتے ہیں کہ:۔ **اَلنَّاسُ عَلٰی ثَلاثَۃِ اَصْنَافٍ (۱) عَالِمٌ (۲) مُتَعَلِّمٌ (۳) وغثاء (۱)فَنَحْنُ الْعُلَمآء (۲) وَشِیْعَتُنَا المتعلِّمُون (۳) وَسَائِرِ الناس غثآء** (کافی باب اصناف الناس)

۔"انسانوں کی تین قسمیں ہیں (۱) عالم (۲) طالب علم (۳) اور مَلْبَہْ۔ چنانچہ ہم علماء ہیں اور ہمارے مکتب فکر کی اشاعت کرنے والے (شیعہ کا حقیقی ترجمہ) طالبانِ علم ہیں۔ اور باقی ماندہ انسان ملبہ ہیں"۔

اس پر مجتہدین نے یہ اعتراض کیا کہ آئمہ اہلبیتؑ تو سابقہ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ لہٰذا اُس حدیث سے امت کے عام علماء مراد ہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ عام علماء مراد ہوں یا نہ ہوں۔ مجتہدین کا نہ ذکر ہے نہ وہ مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ اُمت کے تمام علماء اور مجتہدین دونوں کو شامل کر کے بھی ان کے لئے نہ وہ علم ثابت ہے جو حضرات عیسٰیؑ و موسیٰؑ اور جناب سلیمان علیہم السلام کے لئے قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ نہ انہیں اس قابل سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ وہ مٹی کی چڑیا کو حیات اور پرِ پرواز بخش سکتے تھے۔ یعنی اس امت کے مجتہد ہوں یا علمائے عام ہوں نہ وہ سابقہ انبیاؑ یا انبیائےؑ بنی اسرائیل کی مانند ہیں نہ ان کے برابر ہیں۔ بلکہ ایسا کہنا انبیاؑ کی توہین ہے۔ وہؑ صاحبان کتاب تھے۔ انؑ پر ملائکہ نازل ہوتے تھے۔ وہؑ معصوم تھے۔ صاحبان معجزہ تھے۔ کہاں وہؑ کہاں امت کے عام علماء۔

دوسری حدیث: ابن حنظلہ سے روایت ہوئی ہے کہ:۔ جناب امام جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ تم اسکا پتہ لگائو کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو ہماری احادیث بیان کرتا ہے اور ہمارے حلال و حرام پر نظر رکھتا ہے اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے ہمارے احکام کے بارے میں راضی ہو جائو۔ پس یقینا میں مذکورہ شخص کو تمہارے اوپر حاکم مقرر کرتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ ہمارے حکم نافذ کرے اور کوئی ان احکام کو قبول نہ کرے اس سے تواس نے گویا اللہ کے احکام کی بے حرمتی کی اور ہمارے حکم کو ٹھکرایا۔ اورہمارے حکم کو ٹھکرانے والا، اللہ کے احکام کو ٹھکرانے کا مجرم ہے اور یہ کام اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حد سے تجاوز کر گیا

ناقدانہ نظر۔ علم الرجال میں بقول خود مجتہد حضرات نے ابن حنظلہ کی روایات کو ناقابل قبول کہا ہے۔ ہم بہرحال حدیث کے الفاظ پر دارومدار رکھتے ہیں۔ یہ صورت حال بھی اجتہاد کے خلاف نکلتی ہے یعنی اگر کوئی ایسا شخص نظر میں ہو۔ تو اس سے امامؑ کا حکم لے کر عمل کرلو اور بس۔ فیصلہ بہرحال حکمِ امامؑ سے ہوگا۔

تیسری حدیث جناب ابی خدیجہ نے بیان کی ہے کہ مجھے جناب امام جعفرؑ صادق نے ہمارے صحابہ کیطرف بھیجا اور کہلوایا کہ جب تم میں لین دین یا کوئی دوسری قسم کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوجسکا فیصلہ کرنے کیلئے تمہیں ان لاقانون قاضیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے تو تم اپنے میں سے ایک ایسے شخص کو اختیار کر لو جو ہمارے حلال و حرام کی معرفت رکھتا ہو تو میں ایسے شخص کو تم پر اپنی طرف سے قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اس جگہ بھی عام اجازت فرمائی گئی ہے۔ کہ انؑ کی ملت کے علماء و فقہاء کی طرف رجوع کریں اور فرمادیا کہ میں اس کو تم پر حاکم و قاضی مقرر کرتا ہوں۔

ناقدانہ نظر۔ اس حدیث میں امام جعفرؑ نے ابن خدیجہ کے ہاتھ اپنے شیعوں کو اجازت دی ہے جہاں امامؑ کیطرف سے کوئی مستقل شخص بطور نیابت مقرر نہیں ہے" تم اپنے میں سے ایک ایسے شخص کو اختیار کرلو جو ہمارے حلال و حرام کی معرفت رکھتا ہو تو میں ایسے شخص کو تم پر اپنی طرف سے قاضی مقرر کرتا ہوں"۔ اس میں کہیں بھی ذاتی رائے، بصیرت، اجتہاد و قیاس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس حدیث میں ایک سادہ سی فطری صورت حال زیر نظر ہے تا کہ ایک شیعہ کو معصومؑ حکم ملے خواہ کہیں سے کسی سے ملے۔

چوتھی حدیث ہمارے شیخ انصاری صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ اور ان کی بھی غرض یہی ہے۔ انہوں نے فرمایا ؟ان پر سلام ہو

کہ جو کوئی فقہا میں سے اپنی ذاتی میلانات سے محفوظ ہو، اور اپنے دین کا محافظ ہو،اور اپنی رائے ،قیاس و خواہشات کا مخالف ہو۔اور اپنے مولاؑ کی اتباع کرنے والا ہو۔عوام پر لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔

ناقدانہ نظر۔ اس حدیث کو دیکھ کر اصول فقہ کے مطابق سابقہ تینوں احادیث کو(معاذ اللہ) مجمل احادیث نا قابل قبول کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان احادیث میں نہ کوئی شرط تھی نہ پابندی۔

(امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی اس حدیث کا آخری حصہ جو تحریر نہیں کیا گیا)۔

چنانچہ شیعہ فقہاء میں سے جو فقہاء قبیح اور فحش اعمال کے مرتکب ہوتے ہوں۔اور عامہ(اہل سنت) فقہا کی طرح قانون کو اپنے ماتحت رکھیں (فسقۃ) ان کی طرف سے کوئی حکم کوئی حدیث کوئی بات قبول نہ کرنا خواہ وہ ہماری طرف سے پیش کریں اور نہ ان کی عزت و اکرام کرنا نہ انہیں اچھا سمجھنا''۔

(الف) اس حدیث میں دو باتیں واضح ہیں۔

1۔شیعوں میں حضرت امام جعفرؑ صادق کے زمانہ میں دو قسم کے فقہا موجود تھے۔

2۔ان شیعہ فقہا میں ایسے فقہا بھی تھے۔جو فاسق اور گناہان کبیرہ میں مبتلا تھے۔

(ب) حدیث میں فقہا کی اچھی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ:۔

1۔﴿**فللعوام ان یقلدوہ**﴾''عوام کو چاہئے کہ اس کی تقلید کریں۔

پھر فقہا کی بُری صفات بیان کیں اور فرمایا کہ:۔

2۔﴿**فلا تقبلوا منھم عنا شیئا و لا کرامۃ**﴾۔''ہماری طرف سے ان کی زبانی کوئی چیز قبول نہ کرو نہ ان کا اکرام کرو''۔

ان دونوں فیصلوں کا مختصر اور عام فہم مطلب یہ ہے کہ امامؑ نے اچھے فقہا کے لئے جو کچھ جائز قرار دیا ہے۔وہی کچھ بُرے فقہا کے لئے ناجائز کیا ہے۔یعنی ایک گروہ کی تقلید جائز ہے۔دوسرے گروہ کی تقلید ناجائز ہے۔یا یوں کہہ لیں کہ ایک گروہ اللہ و رسولؐ اور آئمہؑ کا جو حکم پہنچائے اسے قبول کیا جائے اور اس پر بڑی سختی اور خلوص دل سے عمل کیا جائے۔لیکن دوسرے گروہ کی بات ہی نہ سنی جائے بلکہ اسے دھتکار و پھٹکار بتائی جائے۔

سوچئے اور سوچ کر بتایئے کہ یہاں کسی کی ذاتی رائے، قیاسی فیصلے،اور اجتہادی حکم ماننے اور تعمیل و اطاعت و تقلید کا خیال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ پھر بھی تو اصل بات اور امامؑ کا مقصد بہت دور اور بہت بلند ہے۔وہاں تو چار ایسی شرطیں لگا دی گئی ہیں۔کہ نام نہاد عالم تو کیا چیز ہے ان کے راہنما بھی ان شرائط پر پورا نہیں اتر سکتے ذرا سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ عوام کیسے اور کس مشن سے پتہ لگائیں کہ:۔

1۔فلاں شخص اپنے نفس یعنی قلب و ذہن و آنکھ و کان وغیرہ کو غلط جذبات و تاثرات و احساسات و لذّات سے بچاتا ہے۔اور اس کا نفس یعنی پوری اندرونی مشین محفوظ ہے؟ اور کیا واقعی کوئی غیر معصومؑ شخص ایسا (صَائِناً لِنَفْسِہٖ) ہو سکتا ہے؟ اور

2۔فلاں شخص اِسلام جیسے ہمہ گیر دین کے ہر عقلی،نظری اور عملی مسئلہ سے کما حقہ واقف اور اس کا محافظ ہے؟ اور

3۔فلاں شخص ان تمام جذبات و تصورات و لذات و خواہشات کا مخالف و دشمن ہے۔جو قلب و ذہن و چشم و نظر میں پوشیدہ رہتے اور پیدا ہوتے ہیں، جو اللہ و رسولؐ و آئمہؑ کو ناپسند ہوں؟

4۔اور فلاں شخص ظاہر و باطن، مجمع عام و خلوت،از پیدائش تا امروز ہر ہر معاملہ میں اللہ و رسولؐ و آئمہ معصومینؑ کے ہر ہر معاملہ میں اطاعت کرتا رہا ہے؟۔

مختصراً یہ کہ اگر ان خصوصیات کا پتہ لگانا عوام کیلئے ممکن ہے اور فقہاء ان شرائط پر پورا اترتے ہیں تب جا کر عوام پر لازم ہوگا کہ وہ ان فقہاء کی تقلید کریں۔

ان چاروں احادیث میں کہیں بھی ہمارے اخذ کردہ مقدمات کا جواز نہیں ملتا۔ان میں نہ کہیں لفظ اجتہاد آیا نہ مجتہد کا کہیں پتہ چلا۔ان احادیث میں علماء اور فقہاء کے الفاظ استعمال ہوئے اور انکا مطلب مجتہد اور مجتہدین بتایا گیا۔حالانکہ نہ علماء کے معنی مجتہدین ہیں نہ کسی حدیث میں فقہاء کو مجتہد فرمایا گیا ہے یعنی نہ ہر عالم مجتہد ہوتا ہے نہ ہر فقیہ کو مجتہد کہا جاتا ہے

حدیث 5۔''منجملہ ان احادیث کے ایک ایسی حدیث جس پر شیعہ وسنی دونوں متفق ہیں۔وہ ہے کہ جب معاذ جبل کو آپؐ نے یمن کا

قاضی بنایا تواُس سے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اے سعد تم ان لوگوں کے درمیان کس طرح حکم نافذکیاکروگے ؟ عرض کیاکہ کتاب خداسے حکم دیا کروں گا ۔نبیؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب میں نہ ملے تو کیسے حکم دیاکرے گا ؟عرض کیاکہ حدیث رسوؐل سے حکم دیاکروں گا۔ نبیؐ نے فرمایاکہ اگرحدیث میں بھی نہ ملے تو پھر کس طرح حکم دوگے؟ ۔سعد نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔نبیؐ نے شکر خداکیاکہ ُاس نے اپنے رسولؐ کے رسول کو اُس چیز کی توفیق دی جواللہ کو بھی محبوب ہے اوررسوؐل کو بھی پسند ہے ۔ اس حدیث سے واضح طور پر رائے سے اجتہاد کرنا ثابت ہو گیا۔اورنبیؐ نے بھی اجتہاد کی اجاز ت عطا فرمادی ‘‘۔

ناقدانہ نظر: علامہ صاحب رسالۃ التنقید شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔’’امامیہ کے یہاں تو متفقہ طور پر رائے قیاس اور استحصان حرام ہے ‘‘۔علامہ صاحب کاتعلق کس مذہب سے ہے؟؟ قارئین یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ یہ حدیث کتب اربعہ میں نہیں ہے ۔ بخاری اور مسلم نے بھی اسے نہیں لکھااورترمذی نے بھی اس کو غیرمرسل اور منقطع حدیث کہاہے ۔(التوضیح والتلویح باب اجتہادصفحہ 338،مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین صفحہ 532)

بخاری نے لکھاہے کہ’’رسول پاک اپنی رائے یا قیاس سے کبھی جواب نہ دیتے تھے‘‘(ادلۃ الفریقین صفحہ 536-535)

حدیث 6۔’’شیعوں کے طریقہ پر آئمہؑ اظہار سے یہ ہے کہ ُان سب نے فرمایا کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم تمہیں مسائل واحکام الٰہی کے اصول القا کریں اورتم پر واجب ہے کہ تم اُن مسائل واحکام کے اصول کی تفریع کرو۔ پس یہاں وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ تفریع اوراحکام کا استنباط ماخذیات کے اصول سے کیاجائے گا۔

ناقدانہ نظر:حدیث میں امامؑ نے اصول القاء کرنے کی بات فرمائی ہے اورعلامہ صاحب نے ترجمہ میں دومرتبہ اپنی طرف سے الفاظ’’مسائل واحکام‘‘ کا اضافہ کیا ہے ۔دوسرے یہ کہ’’ قالوا‘‘ کہہ کرعربی بیان لکھاہے یعنی’’تمام آئمہ نے فرمایا ہے‘‘اسطرح جو بات شروع کی جائیگی وہ ہرگز حدیث نہیں ہوسکتی اسلئے کہ نہ سب آئمہ ایک وقت میں موجود تھے نہ کوئی راوی ہرامام کے زمانہ میں موجودرہاہے ۔ بہرحال اگراصول دینا آئمہ حضرات پرواجب ہےتو وہ ہمیشہ اور ہرحال میں واجب ہوگا ۔تواس زمانہ میں بھی تعلیمات خداوندی اور ہدایات کو کیسے منقطع مان لیں ۔ پھرآئمہ جواصول بتائیں گے وہ یقیناً حدیث ہی ہوگا اور جو شخص بھی اسکی تفریع کریگا تو وہ حدیث ضرور بیان کرے گا اورخودبھی حدیث کے حکم پرعمل کرے گا۔لیکن علامہ صاحب کے بیان کے مطابق تو حدیث کوظنی اوراپنے ذاتی فیصلوں کویقینی اورواجب تعمیل سمجھا جاتا ہے ۔دلیل وبرھان یاماخذ پیش کرناان کے یہاں غیرضروری باتیں ہیں ۔

حدیث7۔’’یعنی امام محمدؑ باقرؑ نے فرمایا کہ اے ابان بن تغلب تو ہمیشہ مسجد نبوؐی میں بیٹھا کراور لوگوں کو فتویٰ دیاکراس لئے کہ میں اس بات کو پسند کرتاہوں کہ میرے شیعوں میں تیرے جیسا مفتی دنیا دیکھے ‘‘۔

ناقدانہ نظر:۔علامہ صاحب نے ترجمہ میں لفظ’’دائماً‘‘(ہمیشہ) بڑھا کرحدیث کے ناکافی ہونے کاثبوت دیاہے۔امام محمد باقرؑ کا زمانہ تاریخی اعتبار سےتقیہ کا زمانہ تھا ۔اس زمانہ میں مسجد نبویؐ میں کسی شیعہ مفتی کا بیٹھ کر ہمیشہ شیعہ مذہب کے مطابق فتویٰ دیناایک بہت بڑا جھوٹ ہوگا۔

حدیث8’’منع کرتا ہوں میں تجھ کو لوگوں کو ایسی باتوں پر فتویٰ دے جو تو نہیں جانتا یعنی ماخذ کے خلاف فتویٰ دینا جو تو نہیں جانتا ۔

حدیث نمبر9’’فرمایا کہ میں تجھے اپنی رائے اور قیاس سے فتویٰ جاری کرنے سے منع کرتا ہوں ‘‘۔

حدیث نمبر10۔’’امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی (اللہ کی ہدایت کے بغیر)بلا علم و ہدایت لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس پر رحمت والے فرشتے لعنت کرتے ہیں ‘‘۔

حدیث نمبر11۔جو کوئی لوگوں میں فتویٰ دے اور ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کو نہ جانتا ہو وہ انتہائی ہلاکت میں ہے یعنی عذاب میں مبتلا رہیگا ‘‘۔

مندرجہ بالاچاراحادیث 8تا11 کواجتہادکے جواز میں کیوں پیش کیا گیاہے؟؟؟

بہرحال جواز میں پیش کردہ تینوں آیات اور گیارہ احادیث میں کہیں بھی اورکسی طرح بھی ہمارے قائم کردہ دعوں کا جواز ثابت نہ ہے۔

نظریہ اجتہاد/دعاوی سے اختلاف میں دلائل

اب ہم قارئین کے سامنے بیسیوں آیات واحادیث میں سے چند ایک پیش کریں گے۔ جو ہمارے قائم کردہ دعاویٰ کے خلاف چشم نمائی کرتی ہیں۔

دعویٰ نمبر 1۔ کیا بعض احکام، معاملات کے فیصلے، بعض حالات واشیاء کی تفصیل، قرآن وحدیث اور سنت میں موجود نہ ہے؟

آیات: یہ قران ایسی حدیث نہیں جو عقول انسانی کی ایجاد ہو ولیکن یہ تو ان تمام تعلیمات خداوندی کی تصدیق ہے۔ جو اس وقت موجود ہیں اور جو قوم قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کیلئے یہ قرآن ہدایت کا ذخیرہ رحمت کا خزانہ اور ساری کائنات کی ہر چیز کی تفصیل ہے۔(12/111)

''اور ہم نے اے رسول تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو کائنات کی ہر چیز کو بیان کرتی ہے اور المسلمین کیلئے ہدایت کا ذخیرہ، رحمت کا خزانہ اور خوشخبریوں کا گنجینہ ہے (16/89)''

''ہم نے کتاب میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں چھوڑی''(6/38، 27/75، 18/54)

معلمین قرآن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''تم جو کچھ نہ جانتے تھے تمہیں اس سب کی تعلیم دی''(2/239,4/113)

یہ بھی تمام مومنین سے کہا گیا ہے کہ تمہیں جس چیز کا علم نہ ہو اُس کا علم صاحبان قرآن سے حاصل کرلیا کرو 16/43,21/7 قرآن کریم نے یہ پہلو طرح طرح سے واضح کردیا ہے کہ مومنین کے لئے ہر بات بتانے والے راہنمایان اسلام قیامت تک موجود رہیں گے۔ **احادیث اور صاحبان قرآن**، قرآن اور احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ:۔''قرآن وہی تو ہے کہ اگر تم اُس سے گفتگو کرو تو وہ تم سے بات نہ کریگا۔ میں تمہیں اُس کی طرف سے خبر دینے والا ہوں۔ کہ یقیناً اُس میں ماضی کا تمام علم ہے اور آئندہ قیامت تک آنے والے حالات کا علم موجود ہے۔ اور جو کچھ تمہارے مابین گزرنا ہے۔ اُسکا پورا حکم واحکام ہیں۔ اور تم جو کچھ قرآن کے معاملے میں اختلافات کررہے ہو اُن سب کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ اگر تم مجھ سے سوالات کرو تو میں تمہیں وہ تمام علوم تعلیم دے سکتا ہوں''۔(باب الرد اِلیَ الکتاب و السنّة کافی کتاب فضل العلم حدیث نمبر 7)

حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ:۔ میں رسولؐ زادہ ہوں اسلئے قرآن کا عالم ہوں۔ قرآن میں تخلیق کائنات سے لیکر قیامت کے دن تک کی تمام تفصیلات ہیں۔ اُس میں آسمانوں، زمینوں اور جنت وجہنم کی تمام اطلاعات ہیں۔ اور وہ تمام خبریں ہیں جو ماضی میں گزر چکی ہیں اور وہ تمام حالات ہیں جو آئندہ وجود میں آنے والے ہیں۔ اور میں اُن سب کا اسی طرح عالم ہوں۔ جیسا کہ اپنے ہاتھ کو جانتا ہوں اور ایک ہی نظر میں دیکھ لیتا ہوں۔ یقیناً اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ قرآن میں ہر شے کا بیان کردیا گیا ہے۔(ایضاً حدیث نمبر 8) ایک صحابی نے جناب امام ابوالحسنؑ موسیٰ سے دریافت کیا کہ''کیا سچ مچ قرآن و سنة میں ہر چیز کا ذکر ہے۔ یا آپؑ حضرات محض عقیدتاً ایسا کہتے رہتے ہیں؟ فرمایا۔ عقیدتاً نہیں بلکہ حقیقتاً اللہ کی کتاب اور نبیؐ کی سنت میں ہر چیز مذکور ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ:۔''حتیٰ کہ کوئی بندہ یہ کہنے کی مجال نہیں رکھتا کہ فلاں چیز قرآن میں ہوتی مگر وہ بھی اللہ نے قرآن میں نازل کردی ہے(کافی صفحہ 64)

حضرت امام محمدؐ باقر نے فرمایا کہ:''اگر تم نہیں جانتے تو اہل الذکر سے سوال کر کے معلوم کرلیا کرو'' کے متعلق رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میں ذِکر ہوں اور آئمہ علیہم السلام ذکرؐ والے ہیں'' لہٰذا علم قطعی وکلّی کے حامل آئمہ اہلبیتؑ ہیں یعنی عالمانِ قرآن ہیں۔(کافی کتاب الحجة باب اھل الذکر حدیث نمبر1)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ۔ انا صاحب اللوح المحفوظ و الھمی اللّٰہ عزوجل علم مافیه ۔ میں لوح محفوظ کا حامل ہوں اللہ نے مجھے اُس میں جو کچھ ہے اس کا علم بذریعہ الہام عطا فرمایا ہے۔(کتاب المبین جلد اول صفحہ 291)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:''اے مفضل جو یہ غلط تصور رکھے کہ آل محمدؐ کے کسی امامؑ سے کوئی لازمی چیز اوجھل ہوسکتی ہے یعنی جو کچھ قلم نے لوح محفوظ پر لکھا ہے اس میں کی کوئی چیز۔ یقیناً اُسنے محمدؐ پر نازل ہونیوالے سامان کا کفر کیا ہے یقیناً میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں تمہارے اعمال ہم پر پیش کیے جاتے ہیں۔(کتاب المبین)

دعویٰ 2۔ اگر کسی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں قرآن وحدیث اور سنت میں نہیں ملتا یعنی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو کیا اس مسئلہ کو باقی ماندہ دلائل اربعہ یعنی اجماع

اور دلائل عقلی کے ذریعہ سے استنباط یعنی اخذ کیا جاسکتا ہے؟

(الف) قارئین کرام نے دیکھا کہ اللہ رسولؐ اور آئمہ معصومینؑ نے ماضی حال و مستقبل کی ہر اطلاع ہر بات اور ہر ہر چیز کا قرآن میں موجود ہونا فرمایا ہے۔ اللہ و رسولؐ نے پوری امت کے لئے قرآن کو مکمل ضابطہ حیات بنا کر آخری حج کے موقعہ پر دین مکمل کر دیا۔ اب اگر کسی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں نہیں ملتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس مسئلہ کا حل قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں ''ایسی کوئی بات نہیں جس میں سے کوئی دو آدمی اختلاف کریں اور سمجھنا چاہیں قرآن میں اس کی اصلیت موجود ہے۔ لیکن لوگوں کی عقلیں وہاں تک رسائی نہیں رکھتیں''۔

قرآن اگر چہ ہمہ گیر علم کا حامل ہے مگر تنہا کافی نہیں ہے۔ قرآن کو محمدؐ و آل محمدؑ ہی کی زبان سے آسان کیا گیا ہے۔ شیعہ سنی دونوں کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے زمانہ سے لے کر تا قیامت ان راہنمایان دین علیھم السلام کا نام بنام تعارف کرایا جانا لکھا ہوا موجود ہے۔ مسلمانوں کی ساری کتابیں پڑھ جایئے آپ کو حضرت علیؑ اور ان کے جانشینوںؑ کے علاوہ کوئی صحابی تابعی یا تبع تابعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جس نے ساری کائنات یا پورے قرآن کا عالم ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ نہ نزول قرآن کے زمانے کا کوئی شخص اور نہ قیامت تک پیدا ہونے والوں میں سے کوئی شخص ایسا ممکن مانا جاسکتا ہے۔ جو صرف عربی (زبان) میں مہارت کی قوت سے تمام تو کیا چند علوم کو بھی پوری طرح اور بلا معلم سمجھ سکے۔ اور تو اور اس کی مادری زبان بھی اسے معلم کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔ اس لئے جن لوگوں نے قرآن پر بلا راہنما و معلمِ قرآن محنت کی اور غلط نتائج کی بنا پر اپنی تمام محنت رائیگاں اور ضائع ہی نہیں کی بلکہ قرآن کی واضح آیات 12/111,16/89 کی بھی تکذیب کی ہے۔

(2) پھر آیتوں اور احادیث کو اپنے خود ساختہ قواعد کے تحت تقسیم کر دیا۔ اور ہر وہ حدیث رد کر دی گئی جو ان قواعد اور اپنی عقل کے خلاف معلوم ہوئی۔ یوں اہل سنت والجماعت اور شیعہ حضرات کی کتابوں میں موجود احادیث کا 90 فیصد ذخیرہ ٹھکرا دیا گیا۔

قرآن کی بھی صرف وہ آیات قبول کیں جو ان کے نزدیک مفید ہیں۔ مکمل قرآن میں سے بھی صرف 500 آیات کو قابل توجہ سمجھا اور اپنے نصاب میں شامل کیں اس طرح یہاں بھی 90 فیصد سے زیادہ قرآن پر مختلف اصطلاحات کے پردے ڈال کر مہجور کر دیا۔ اب اس باقی ماندہ 10 فیصد احادیث اور 10 فیصد سے کم آیات میں سے کائناتی علوم حاصل کرنے اور درپیش مسائل کو حل کرنے کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟

(ب) اجماع اور دلائل عقلی سے قرآن و حدیث سے استنباط یا مسائل اخذ کرنا۔

اجماع اور عقل کے بارے میں حقائق اور اس کے جواز میں پیش کردہ آیات و احادیث پر بحث ہو چکی ہے۔ قرآن اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ انسانوں پر صرف منزل من اللہ احکام نافذ کرنا ہوں گے۔ کتاب اللہ سے حکم نہ دینے والا فاسق۔ ظالم۔ کافر ہے۔ (5/44,45,47) یعنی جو بھی حکم کرے یا فیصلہ دے وہ قرآن کے مطابق نہیں بلکہ ''بِـمـا'' (ساتھ جو، جس کے ساتھ، جس سے، جو کچھ) یعنی قرآن میں نازل شدہ فیصلہ ہونا چاہئے۔ یعنی ہر قاضی اور ہر مفتی کو قرآن سے ایک عدد یا چند آیات لکھنا ہوں گی۔

دعویٰ (3) کیا وہ اخذ کیا ہوا حل استنباطی حل (علم یقینی سے نہیں بلکہ ظنی علم سے حاصل کردہ حل) یعنی اجتہادی مسئلہ یا فتویٰ۔ حکم واقعی یعنی اللہ کے حکم کا بدل ہوگا؟

اسکے جواب میں ایک آیت یا حدیث بھی پیش نہیں کی گئی نہ ہی کی جاسکتی ہے۔ چونکہ شرعی حکم صرف اللہ کا نازل شدہ حکم ہونا چاہئے۔ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف تنبیہ فرما دی ہے۔ ''پس ھلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں۔ پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے'' (2/79)

دینی احکام میں رسولؐ پاک انبیاؑ اور آئمہؑ کی رائے بھی داخل نہیں کی جاسکتی۔ رسولؐ پاک جیسی محبوب ہستی کیلئے اللہ تعالیٰ نے سخت ترین الفاظ میں تنبیہ کی ہے۔ ''اگر باندھ لیوے اوپر ہمارے بعض باتیں البتہ پکڑیں ہم اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالیں ہم اس سے رگ گردن کی۔ (69/44-46)

''کہہ دو کہ میرے لئے یہ بات مناسب ہی نہیں کہ میں اپنے ذاتی تصورات و میلانات سے اس میں تبدیلی کروں میرا فرض منصبی اسکے سوا کچھ ہے ہی نہیں کہ مجھ پر جو خدا کی طرف سے وحی آئے اسکی من و عن پیروی کرتا چلا جاؤں اگر میں اپنی رائے اور بصیرت کو داخل کر کے اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک عظیم ترین دن کے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہے'' (10/15)

امام جعفر صادقؑ معصوم ہوتے ہوئے ماضی، حال و مستقبل کے علم رکھتے ہوئے اپنی رائے اور نظریہ سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتے ''قتیبہ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے جواب دے دیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اگر یہ بات یوں ہو یا یوں نہیں تو یوں ہو۔ تب آپؑ کیا کہیں گے؟ آپؑ نے فرمایا ٹھہرو بھائی سنو میں نے تیرے سوال کے جواب میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ فرمانِ رسولؐ ہے۔ ہم لوگ (آئمہؑ) کسی بھی حیثیت سے اپنی رائے سے بات نہیں کرتے'' (کافی جلد ا صفحہ 64)

<u>دعویٰ 4۔ کیا عوام پر لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہدین کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں؟ خلاف ورزی قابل سزا جرم ہے۔ اس کے بغیر نیک اعمال، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ بھی اللہ کے یہاں نا قابل قبول ہیں۔</u>

مسائل کو بلا استدلال معلوم کرنا اور ان پر بلا چوں و چرا، بلا تعقل و تدبر عمل کرنے سے متعلق بحث گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ مذہب شیعہ میں حقیقی مومنین کی نماز روزہ اور تمام تر اعمال و عبادات با مقصد اور تقرب خداوندی اور امام عصر والزمانؑ کی توجہات حاصل کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ عقل کے بارے میں رسولؐ پاک نے فرمایا ہے کہ اللہ نے جو چیزیں اپنی مخلوق میں تقسیم کی ہیں۔ ان میں عقل سے اچھی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عقل مند کا سونا جاہل آدمی کی شب بیداری کی عبادت سے بہتر۔ اور عقل مند کا بیکار بیٹھا رہنا جاہل کی دین دارانہ دوڑ دھوپ سے بہتر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''وہ شخص جو عقل سے بے بہرہ یا کورا ہے وہ نمازوں سے، خیرات سے اور خانہ کعبہ کے لاتعداد حج کرنے سے کوئی رفعت اور بزرگی نہیں پا سکتا''

''یہ یقین رکھو کہ ثواب اور جزا کا دارومدار عقل کی مقدار پر منحصر ہے''۔

امام موسیٰ رضاؑ نے فرمایا ''جن دینداروں کے پاس عقل نہیں ہے ان پر بھروسہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ ہمارے یہاں تو پوری شیعہ قوم ہے جو شیعہ مذہب پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک ان میں بدعملی بھی نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ عقل کو اسطرح استعمال نہیں کرتے۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہے جن کو خدا نے دین دار کہہ کر مخاطب کیا ہے''۔

قارئین نے پیہم دیکھا کہ نظامِ اجتہاد کے مقلد قسم کے شیعوں کا اپنی عقل کو استعمال نہ کرنا اور بقلم خود خطا کار شیعہ مجتہدین کی بلا تعقل و تدبر، بلا دلیل طلب کئے، بلا چوں و چرا تقلید کرتے چلے جانا نہ صرف مومنین کے اعمال و عبادات کو ضائع کر رہا ہے۔ بلکہ انہیں خدا کے مخاطب کردہ مسلمانوں سے بھی خارج کرتا ہے۔

اجتہادی احکام کو اللہ کا حکم، خلاف ورزی قابل سزا اور نیک اعمال کا قبول نہ ہونا تب ثابت ہوتا جب دعویٰ نمبر 3 یعنی اجتہادی احکام حکم واقعی یعنی اللہ کا حکم ثابت ہو جاتے ۔ جہاں تک تقلید کا تعلق ہے۔ جن حضرات کی اطاعت، اتباع اور تقلید واجب و لازم ہے ان کا معیار قرآن و حدیث سے مختصراً تحریر کیے دیتے ہیں۔ اگر مجتہد حضرات ان پر پورا اترتے ہیں تو یقیناً واجب التقلید ہیں۔

جن کی اطاعت و اتباع اور تقلید واجب ہے ان کی پوزیشن۔

1۔ معصوم ہو، تا کہ تعلیمات خداوندی میں کوئی کوتاہی، لغزش اور خطا ممکن نہ رہے۔ ورنہ پوری نوع انسان گمراہ ہو جانے کے باوجود بے قصور کہلائے گی۔ اور پھر گمراہی کے مواقع پیدا کرنے کا الزام بھی اللہ پر عائد ہو جائے گا۔

2۔ جو شخص کائنات کی کسی چیز سے بھی جاہل ہو اس کی اطاعت تقلید اور اتباع واجب نہیں۔ چنانچہ ابوحمزہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ:۔ ''قسم بخدا وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہوتا جو کچھ چیزوں کا عالم ہو اور کچھ چیزوں سے جاہل ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر اور زیادہ صاحب بزرگی اور کرم ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت انسانوں پر فرض کر دے جس سے اس نے اپنے آسمانوں اور زمینوں کے علوم کو پردہ میں پوشیدہ رکھا ہو۔ (یعنی جو بعض حقائق سے جاہل ہو۔) پھر فرمایا کہ جس کی اطاعت فرض کرتا ہے۔ اس سے آسمانوں اور زمینوں کا علم پوشیدہ نہیں رکھتا'' (ظفری جلد اول صفحہ 301)

3۔ وہ پوری کائنات کا عالم حقیقی ہو (متعدد احادیث)

4۔ اہل الذکر ہونے کا دعویٰ رکھتے ہوں۔

5۔ امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ ''ہمؑ ہی وہ قوم ہیں جس کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے''

6۔امام رضاؑ نے فرمایا کہ ”میں کہتا ہوں کہ تمام انسان اطاعت کے معاملے میں ہمارے بندے یا غلام ہیں“۔

دعویٰ نمبر 5۔اجتہادی غلطی پر بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ہوگا۔

اس دعویٰ کے جواز میں بھی نہ کوئی آیت ہے اور نہ ہی کوئی حدیث اور نہ ہی کوئی عقل مند اسے قبول کرے گا۔نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے یہی سب سے بڑا اعتراض کیا ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ کے شریک ہیں کہ اس پر ان کے فیصلوں کو ماننا لازم ہو؟ یعنی اللہ اپنی منشاء کے خلاف حکم اور عمل کو بھی قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔

ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر ہمارے سامنے ایسے مسائل آجائیں جن کے متعلق ہم قرآنی اور سنت کے جواب نہیں جانتے تو کیا ہم نقد و نظر سے کام لے لیا کریں فرمایا ہرگز نہیں۔اس لئے کہ اگر تم نے ٹھیک جواب دیا تو اجر نہ ملے گا۔اور اگر غلط جواب ہوا تو تم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوگے (ایضاً صفحہ 61)

زیر بحث نظام کے فوائد و نقصانات

ظاہری فائدہ: ہر وقت ہمہ قسمی جدید تقاضوں کی ضرورت کے مطابق ظنی علم سے استنباطی حل موجود رہتا ہے لیکن عملاً بہت بڑا نقصان کہ امامؑ وقت کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔(یعنی ظاہری فائدہ بھی درحقیقت باطن میں ایک نا قابل تلافی نقصان ہے)

دیگر نقصانات:۔ گو کہ نقصانات کی فہرست انتہائی طویل ہے مگر ان میں سے چند ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔

1۔اسلام کی تکمیل۔**الیوم اکملت لکم دینکم**(5/67),(3/5) قرآن ہمہ گیر کتاب و مکمل ضابطہ حیات تمام نصوص کی خلاف ورزی۔

2۔امت کی باگ دوڑ تھامنے کیلئے عصمت انبیاءؑ و آئمہؑ کو ڈھال بنایا لیکن اپنے نقائص چھپانے کیلئے ان معصومؑ حضرات کو خطا کار اور استنباط کرنے والوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

3۔عوام کی تذلیل۔جاھل، مانند چوپائے، حشرات الارض ثابت کیا گیا۔

4۔امامؑ زمانہ، ہدایت کرنے والے امامؑ (مہدیؑ) اللہ کی طرف سے ذمہ دار امامؑ (حجۃ اللہ) کا عملاً انکار۔

5۔علم حاصل کرنا فرض کفائی۔عوام کو جاھل رکھنے کا مستقل پروگرام۔

6۔قرآن کی آیات و احادیث کی علم فقہ کے تحت اقسام میں تقسیم کر کے عِضین ہونے کا جرم ثابت ہوتا ہے۔اور ان معصوم تعلیمات کو اصول فقہ کے ماتحت کر دیا گیا ۔(اگر یہی اصول اجتہادی مسائل پر لاگو کئے جائیں تو ایک مسئلہ بھی شاید قابل عمل نہ رہے)۔

7۔فتاویٰ، اختلافات کا مجموعہ بن گئے۔لوگوں کو اس پر باقاعدہ قلم اٹھانے کا موقع مل گیا۔اور بعض فتوؤں میں واضح نصوص کی خلاف ورزی کی گئی۔

اختلاف:(الف) ”استاد اور شاگرد شیخ مفید اور سید مرتضیٰ میں 95 اختلافات تھے“ (مفتاح الشفاعۃ صفحہ 260)

(ب) شوہر اور بیوی کی میراث

آیت اللہ خمینی توضیح المسائل صفحہ (429)

مسئلہ (2767) اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے مال کا چوتھا حصہ بیوی اور بقیہ دوسرے وارث لیں گے اور اگر بیوی سے یا کسی دوسری بیوی سے اس کی اولاد ہو تو مال کا آٹھواں حصہ بیوی اور بقیہ دوسرے وارث لیں گے اور عورت تمام قسم کی منقولہ جائیداد سے میراث لے گی۔البتہ زمین اور اس کی قیمت سے کچھ نہیں ملے گا اور جو چیزیں زمین میں ثابت شدہ ہیں۔مثلاً مکان اور درخت تو بیوی ان کی قیمت سے میراث لے سکتی ہے۔

سید حسینی سیستانی کی توضیح المسائل صفحہ (424)

مسئلہ (2768) اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے مال کا چوتھا حصہ اس کی بیوی کو اور باقی دوسرے ورثاء کو ملتا ہے۔اور اگر کوئی اس آدمی کی اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے اولاد ہو تو مال کا آٹھواں حصہ بیوی کو اور باقی دوسرے ورثاء کو ملتا ہے۔ گھر کی زمین باغ، کھیت اور دوسری زمینوں میں سے کوئی ترکہ پاتی ہے اور نہ ہی اس کی قیمت میں کوئی ترکہ پاتی ہے۔نیز وہ گھر کی فضا میں قائم چیزوں مثلاً عمارت اور درختوں سے ترکہ نہیں پاتی لیکن ان کی قیمت کی صورت میں ترکہ

باقی ہے اور جو درخت، کھیت اور عمارتیں باغ کی زمین مزروعہ زمین اور دوسری زمینوں میں ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اللہ کا فرمان۔:ولكم نصف ماترك ازوجكم ان لم يكن ولد فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها اودين .ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها اودين (4/12)

ترجمہ:اور واسطے تمہارے ہے آدھا اس سے جو کچھ چھوڑ جائیں بیویاں تمہاری۔اگر نہ ہو اس کی اولاد۔اگر اس کی اولاد ہے پھر تمہارے لے ہے چوتھا حصہ اس میں سے جو کچھ وہ چھوڑ گئیں تمہاری بیویاں بعد وصیت کے جو کر جائیں اس کے قرض کے۔اور واسطے تمہاری بیویوں کے ہے چوتھائی اس میں سے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو وہ تمہاری اولاد اگر ہو تمہاری اولاد تو تمہاری بیویوں کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے جو کر جاؤ قرض کے۔

قارئین خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔قرآن میں اللہ کے واضح حکم کے خلاف تجاوز کرتے ہوئے بیوہ کو ترکہ کے 1/8 حصہ میں سے محروم رکھنے کی سنگین جسارت ہے۔یہ جسارت کس حیثیت سے اور کون سے فقہی اصول کے تحت کی گئی ہے؟ اُس حیثیت اور اصول فقہ کو کیا نام دیا جائے گا؟؟؟

(ج) نماز جمعہ واجب بھی حرام بھی اور اختیاری بھی۔

غیبت کبریٰ میں واجب ماننے والے علماء۔

(۱)مولانا عبداللہ تستری اور اُن کے شاگرد۔(۲)مولانا محمد تقی مجلسی۔(۳)مولانا محمد بن علی کراجکی۔(۴)مولانا ابراہیم۔(۵)شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی۔(۶)مولانا سلیمان بن عبداللہ۔(۷)مولانا سید ہاشم بحرانی۔(۸)مولانا محمد محسن کاشانی۔(۹)مولانا شیخ حُرّ آملی۔(۱۰)مولانا محمد باقر مجلسی۔(۱۱)مولانا محمد باقر بن محمد مومن سبزواری۔(۱۲)مولانا زین الدین شہید ثانی۔وغیرہ"۔

غیبت کبریٰ میں بلا اذنِ امام حرام کہنے والے علماء

مولانا حمزہ بن عبداللہ اُن کا لقب سلاّ رتھا۔دیلمی تھے اور یہی پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے نماز جمعہ کے لئے لفظ حرام کی اصطلاح سب سے پہلے استعمال کی تھی۔(۲)مولانا جلیل قزوینی۔(۳)مولانا شیخ علی نقی۔(یہ دونوں اخباری تھے)۔(۴)مولانا محمد بن ادریس جو کتاب شرائع الاسلام کے مصنف ہیں۔(۵)مولانا حسن بن عبداللہ تستری۔(۶)مولانا عبداللہ بن الحاج محمدؒ تونِی جو سراب مشہور ہیں۔(۷)مولانا اسماعیل ماژندرانی۔(۸)مولانا قاضی نوراللہ شوستری۔(۹)مولانا شیخ سلیمان بن علی بن ابی طیبہ الشاخوری۔

آج کل کے تمام علماء واجب تخییری کہتے ہیں"۔(مفتاح الشفاعۃ صفحہ ۲۶۱)

(د) چوتھی صدی ہجری میں مجتہدین کی مساجد بھی الگ ہو چکی تھیں۔شیعوں کی مساجد میں اذان میں علیاً ولی الله اورحی على خير العمل پڑھا جاتا تھا۔مجتہدین اس شہادت علویہ کا اعلان نہ کرتے تھے۔بلکہ علیؑ ولی اللہ کو اذان میں حرام سمجھتے تھے۔(روضات الجنات،منتخب التواریخ،حدائق الناضرہ،مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت)

(ھ) اسی طرح کسی ایک مسئلہ پر مختلف توضیح المسائل میں آپس میں بھی اور اقوالِ معصومؑ سے بھی اختلاف ملیگا اور بسا اوقات حلال وحرام میں بھی تمیز ممکن نہیں رہتی۔اور کہا یہ جاتا ہے کہ جدید تقاضوں کے مسائل قرآن وحدیث سے اخذ کئے جاتے ہیں۔مگر حقیقت میں وہ کہاں تک قرآن ورسولؐ سے مطابقت رکھتے ہیں اسکی بے شمار مثالوں میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حلال وحرام جانور کے احکام میں آغا سیستانی صاحب مور کو حلال قرار دیتے ہیں،آغا صادق تہرانی صاحب خرگوش اور کوے بھی حلال قرار دیتے ہیں جب کہ امام محمدؑ باقر اور امام جعفرؑ صادق کے مطابق،خرگوش،کوے اور مور کو کھانا جائز نہیں ہے۔

(و) مہر نہ دینے کی نیت:حضرات آغا خمینی،آغا خوئی،آغا سیستانی،آغا لنکرانی صاحبان کا اجتماعی فتویٰ یہ ہے کہ "اگر مرد عقد میں حق مہر متعین کرے لیکن اس کی نیت ہو کہ حقِ مہر ادا نہیں کرے گا تو عقد صحیح ہے"۔

جب کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "جو شخص کسی عورت سے عقد کرے اور اس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہ ہو تو وہ اللہ کے نزدیک زانی ہے"۔

قارئین نوٹ فرمائیں کہ مثال کے طور پر پیش کئے گئے درج بالا دونوں مسائل کونسا نیا (جدید) تقاضہ ہیں؟ اور کس قرآنی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہیں؟ لیکن عوام یہ

پوچھنے کا حق نہیں رکھتی۔ انہیں تو صرف تمام احکامات پر بلاچوں چرا اللہ و رسولؐ کا حکم سمجھ کر صرف عمل کرنا ہے۔

(ز) حضرات آغا خمینی، خوئی، سیستانی، لنکرانی اور خامنہ ای کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اگر حلال مال مالِ حرام کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ انسان ان میں سے ایک کو دوسرے سے تمیز نہ کر سکے اور مالک مال کو مالِ حرام اور اس کی مقدار بھی معلوم نہ ہو تو تمام مال کا خمس دے اور خمس دینے کے بعد باقی مال حلال ہو جائے گا۔

جب کہ قولِ معصومؑ اس کے خلاف ہے۔ سعد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں ایک چمڑے کی تھیلی جس میں دیناروں اور درہموں کی ایک سو ساٹھ تھیلیاں موجود تھیں، پیش کی۔

امام حسن عسکریؑ نے امام زمانہؑ کو دیکھا اور فرمایا ''اے بیٹا! اپنے دوستوں اور شیعوں کے تحفے کی مہر توڑ دو''۔ امامؑ نے عرض کیا ''اے میرے آقا! کیا یہ بات جائز ہے کہ میں اپنے پاک ہاتھ نجس تحفوں اور پلید مال کی طرف پھیلاؤں؟۔ آپؑ نے فرمایا ''اے ابن اسحاق جو کچھ چمڑے کے تھیلے میں ہے باہر نکالو تا کہ حرام اور حلال میں تمیز کی جائے۔''

(8) مجتہد اور انکے مسائل تنقید سے بالاتر، اجتہادی غلطی پر بھی واجب سمجھ کر عمل ہوتا رہے گا۔

(9) عقائد جن پر اعمال کا دارومدار ہے۔ کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ اور ترجیح فروعات پر مرکوز رکھی گئی۔ جبکہ حضرت علیؑ نے فرمایا ''اصول کو ضائع کر کے فروع کو مقدم جاننا زوال کی دلیل ہے''۔ اگر ہمارے عقائد اصول ہی درست نہ ہوں تو فروعات بے فائدہ اور دل کی تاریکی کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً رزق حلال ایک اصول ہے۔ اگر یہ اصول غلط ہے یعنی رزق ہی حرام ہے تو اس پر لاکھ دفعہ بسم اللہ پڑھیئے لاکھ حج کرنا اور اربوں کی زکوٰۃ دینا بھی یقیناً بے فائدہ ہوگی۔

حاصلِ بحث

1۔ قلبی اور عملی طور پر مان لیا جائے کہ رسولؐ پاک کے ہاتھوں اللہ نے اسلام کی تکمیل کر دی تھی اور قرآن قیامت تک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

2۔ قرآن میں ہر خشک و تر کی تفصیل موجود ہے۔ رسولؐ پاک نے اس کتاب (قرآن) کو پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔ امت کو قرآن، حقیقی علماء اہل الذکر سے کما حقہ متعارف کرایا اور ان دونوں کو باقاعدہ امت کے سپرد کیا۔

3۔ تمام احکام و مسائل منزل من اللہ الفاظ میں ہونے چاہئیں۔ علماء کیلئے لازم ہے کہ آیات و احادیث کا حوالہ دیں اور سائل بھی اپنے مسئلہ کیلئے آیات و احادیث کا حوالہ طلب کرے۔

4۔ اطاعت اور تقلید صرف پوری کائنات کے حقیقی عالم معصومؑ کی ہوگی۔

5۔ عقل، رائے، قیاس، گمان، ظن، علم فقہ، علم الرجال، اجماع، علم درایت وغیرہ کو قرآن و حدیث پر حاکم رکھنے کے بجائے ماتحت رکھا جائے۔

6۔ صرف اس شخص کو حاکم اور قاضی مقرر کیا جائے جو اللہ، رسولؐ و آئمہؑ کا حکم نافذ کرے۔ (اذا حکم بحکمنا) اپنے خیالات رائے بصیرت اور قیاس سے احکام نافذ نہ کرے۔

علم حاصل کرنا تمام مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ اس کی ترغیب دی جائے۔

7۔ سر دست منزل من اللہ حکم تک دسترس نہ ہو تو معصوم ہدایت معلوم ہونے تک خاموش رہا جائے۔

۔''ہم ایک جماعت کی صورت میں امام محمدؑ باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضورؑ ہم سب ملک عراق جا رہے ہیں ہمیں کچھ وصیت فرما دیجئے ۔امامؑ نے فرمایا کہ دیکھو تمہارے صاحبانِ اقتدار لوگوں کو چاہئے کہ وہ ضعیفوں اور کمزوروں کو طاقت ور اور مضبوط بناتے رہیں۔ اور تم میں جو لوگ غنی اور رؤساء و خود مکتفی لوگ ہوں۔ وہ فقیروں غریبوں اور محتاجوں کو آسودہ حال بنا دیں۔ اور ہمارے نظام غیبت کے رازوں کو عام رابطہ نہ دینا۔ اور ہمارے نظام کو ہرگز شہرت نہ دینا۔ اور جب وہاں تمہارے سامنے ہماری ہدایات (احادیث) پہنچیں تو ان حدیثوں کو برسرکار لانا جن کی تائید میں تمہارے پاس ہماری بتائی ہوئی کم از کم ایک یا زیادہ آیات قرآن ہوں۔ اور جو احادیث ایسی ہوں کہ تمہارے پاس تائیدی آیات نہیں ہیں۔ ان کو برسرکار لانے سے رک جانا۔ اور ہم سے ان پر آیات طلب کرنا اور جب تک ہماری طرف سے قرآنی تفصیلات نہ وصول ہو جائیں کوئی اقدام نہ کرنا۔ اور یہ سمجھ رکھو اور اسی اصول پر عمل کرتے چلے جاؤ کہ ہمارا حقیقی غلبہ اور کھلا نظام قائم

ہونے تک جو شخص غلط اقدامات کو روکے رہے اور انتظار میں زندگی گذارے وہ اس شخص کے برابر ثواب کا حقدار ہے جو مستقلاً روزہ دار رہے۔ اور جو شخص اس نظام کو قائم کرنے اور برسرکار لانیوالےؑ کے ساتھ مل کر اٹھے اور ان کے مخالف محاذ سے جنگ آزما اور زندہ رہے۔ اس کا ثواب بیس شہیدوں کے برابر ہے۔ اور جو اس طرح قتل ہو جائے وہ پچیس شہداء کا ثواب پائے گا''۔ (کمرئی جلد 3 صفحہ 336) (ظفری جلد 2 صفحہ 245)

ایک سوال: اکثر کہا جاتا ہے کہ اگر انسان بیمار ہو جائے تو علاج کیلئے اُسے ڈاکٹر یا متعلقہ سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے بعینہٖ دینی مسائل کے حل کیلئے دین کے مسائل کے Expert یعنی مجتہد سے رجوع کرنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا معلومات فراہم کرنے کے بعد اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں۔ پھر بھی قارئین سے عرض کریں گے کہ دینی مسائل کے حل کے لئے اگر اللہ و رسولؐ و امامؑ سے اجتہاد کی سند ملتی ہے (جیسے سنداً کہا جاتا ہے کہ علاج کرانا سنت ہے) تو یقیناً مجتہد حضرات ہی سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اور پھر اگر اس نظام میں اللہ رسولؐ و امامؑ کی طرف سے اجازت ہی نہیں بلکہ ممانعت ملتی ہو تو یہ لازم ہے کہ کسی عطائی/غیر سند یافتہ ڈاکٹر سے علاج کرانا بھی یقیناً بہت بڑی حماقت ہوگی۔

غیبت کبریٰ میں ہدایت وتقلید

قارئین کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ مذہب شیعہ یا ملت شیعہ میں نظام اجتہاد یا مجتہد کا وجود 280ھ تک نہیں ملتا۔ حضرت قائم آل محمدؐ 255ھ میں مادی طور پر اس دنیا میں تشریف لائے، حضرت امام عسکریؑ کا انتقال 260ھ میں ہوا، غیبت صغریٰ کا عرصہ تقریباً 74 برس ہے۔ اور غیبت کبریٰ 329ھ سے شروع ہوئی۔

اجتہاد کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ غیبت امامؑ کی وجہ سے علم خداوندی کا دروازہ بند ہو گیا۔ محمدؐ و آل محمدؐ سے رابطہ منقطع ہو گیا ہے اب معصومؑ راہنمائی انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اب دین کو سمجھنے کے لئے قرآن وحدیث کا سہارا رہ گیا ہے۔ ان دونوں میں متشابہات، منسوخات، مجملات، عمومات، مخصوصات ومقیدات ومطلقات بھرے پڑے ہیں۔ ان دونوں سے حتمی اور یقینی علم حاصل کرنے کے لئے اصول فقہ، علم الدرایت، علم الرجال ومنطق وغیرہ اجتہادی علوم وقواعد کی احتیاج ہے۔ لہذا امت کو مجتہدین سے رجوع کرنا ہوگا۔ مجتہد حضرات قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر غور وفکر کرتے ہیں نہایت نیک نیتی اور دینی خلوص کے ساتھ ان مسائل اور ضروریات انسانی پر غور کرتے ہیں جو ہر زمانہ میں مسلمانوں، شیعوں، سنیوں یا دیگر انسانوں کو پیش آنے والی ہیں قرآن وحدیث سے استنباط کر کے جو فیصلہ یا حکم وہ لوگوں کو دیں گے ان کا وہ حکم واجب الاتباع، واجب التعمیل ہوگا اور خلاف ورزی جرم اور سزا دی جانا لازم ہوگی۔ ان کا حکم خدا اور رسولؐ کا حکم ہوگا۔ اور وہ حکم خواہ وہ اس وقت غلط معلوم ہو یا صحیح لگے ہر حال میں واجب الاطاعت ہوگا۔ خلاف ورزی کرنے والا مجرم دونوں جہاں میں سزا کا حقدار ہوگا۔ اور جو مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک عمل بھی کرے اللہ کے یہاں وہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ حرام ومردود ہوں گے۔

ان مجتہد حضرات نے امام عصر والزمان علیہ السلام کو عوام کی نظر میں اس طرح غائب کر کے پیش کیا ہے۔ کہ اب امام زمانہؑ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہو کر رہ گئے۔ یعنی وہ حضرتؑ موجود ہوں تب بھی ان سے نوع انسان کو کوئی محسوس فائدہ نہیں ہے۔ اور موجود نہ ہوں تب بھی کوئی نقصان یا حرج نہیں ہے۔ نہ انؑ سے رابطہ قائم کرنے کی صورت ہے نہ ملاقات وپرسش سوالات وحالات ممکن ہے۔

تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں۔ معصوم راہنما موجود ہے

غیبت صغریٰ ہو یا غیبت کبریٰ ہو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی حکومت وقت خلافت عباسیہ کے ظلم اور خوف وہراس کی وجہ سے امامؑ نے غیبت کبریٰ اختیار کی تھی۔

عزازیل کا حضرت آدمؑ کو سجدہ سے انکار کر کے ابلیس بننا اور جواب دینا کہ میں آدمؑ سے زیادہ صاحب اختیار ہوں عالینؑ کا اس سجدہ سے مستثناء ہونا یہ سارا واقعہ یا حادثہ پردہ غیبت میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ عالینؑ اس وقت کے بعد بھی غیبت کبریٰ یا غیبت کلیہ میں رہے۔ یہاں تک کہ آدمؑ کو ملائکہ پر علمی بزرگی دینے والے ناموں کو پردہ غیبت سے نکل نکل کر مادی وجود اختیار کرنے کی محمدیؐ ابتدا ہوائی۔ لہذا غیبت کبریٰ سے کائنات کی ابتدا ہوئی اور غیبت کبریٰ ہی پر کائنات کا اختتام ہوگا۔

اس غیبت کا اعلان بھی روزِ ازل سے ہوتا چلا آرہا تھا۔ پہلے آنحضرتؐ اور علی مرتضیٰ علیہ السلام اور پھر تمام آئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیھم السلام نے بھی اس کی خبر دی تھی اور یہ بتایا اور ریکارڈ میں ضبط کیا جا چکا تھا کہ بارھواں امامؑ غیبت اختیار کرے گا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس سے ہر قسم کے مادی سربراہ اور دشمن محاذ پر لرزہ طاری

ہوتا تھا۔ کہ ایک روز دنیا پر غیبت یعنی زیر زمین نظامِ ہدایت برسرِ کار آنا ہے۔ شیطان اور اس کے آلۂ کار لوگوں کے لئے وہ کیسا خوفناک ولرزہ خیز ہوسکتا ہے؟ جب تمام اصلاحی قوتیں اور قدرتیں مرکزی حیثیت سے در پردہ غائبانہ اپنے مخالفین پر حملہ آور ہو جائیں گی۔ جب امامؑ غائب مادی قیود و مادی تخریب سے آزاد ہو کر انسانوں کی راہنمائی اور مخالف محاذ کی تباہی کا حکم نافذ کر دے گا۔ اور کائنات کو عدل وانصاف کا گہوارہ بنا دے گا۔ اس نظام کی تیاری تمام سابقہ آئمہ کراتے چلے آ رہے تھے۔ یہ کوئی اچانک حادثہ نہ تھا۔ یہ بڑی سنجیدگی سے تیار کی ہوئی پالیسی تھی۔ کربلا کے قتل عام کے بعد خانوادۂ نبوّت نے اصلاح حال کی مختلف راہیں نکالنے کا پروگرام چلایا تھا۔ آئمہ علیہم السلام کے معصومؑ سلسلے کے چوتھے امامؑ سے لے کر آخری امامؑ کی پیدائش تک ان حضراتؑ نے ملکی سیاست سے قطعاً علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ حالات کے ساتھ ساتھ ان حضراتؑ نے منظر عام پر خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ قید و بند اور حکومتوں کے تشدد نے انہیں پبلک سے دور کر دیا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے اس غیبت کی ابتداء ہوئی ہے۔ جس میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام پبلک سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ان حضراتؑ سے ملنا، باتیں کرنا اور راہ رسم رکھنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ لہٰذا سابقہ ادوار میں آئمہ کی مرضی کے خلاف انہیں غائب رکھنے اور غائب رہنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اس جبر کو توڑنے اور ملت سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے سابقہ اماموںؑ نے اپنے لئے ایک ایسا نظام قائم کر لیا تھا۔ جس میں وہ اپنی آواز ملک کے دور دراز شہروں اور آبادیوں تک پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے وکیلوں، سفیروں اور وزیروں کا ایک ایسا بے رنگ سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ جس میں ہر سائز کے علماء، دانشور، فلاسفر اور سیاستداں حکماء اور فقراء و ادیب وشعرا تیار کر کے پھیلا دئے تھے۔ وہ خود خواہ آزاد ہوں یا قید اور جیلخانہ کی چار دیواری میں بند ہوں۔ ان کے احکام کو روک دینا ناممکن تھا۔ اور چونکہ یہ سلسلہ بے رنگ تھا۔ اس لئے وہ جہاں جس رنگ کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسی رنگ کا ظرف اختیار کر لیتا تھا۔ اپنا رنگ نہ بدلتا تھا۔ مگر ہر رنگ میں دیکھنے والوں کو دکھائی دیتا تھا۔ یعنی یہ سلسلہ آنے والی غیبت کی مشق کرنے میں مصروف تھا۔

حضور قائم آل محمدؐ کی دنیا میں مادی طور پر آمد سے لے کر غیبت کبریٰ تک چھ خلفائے بنی عباس گذرے اور ان سب کے وزراء بھی شیعہ رہے۔ اور اس پورے دور میں مذہب شیعہ کی تائید اور اولادِ علیؑ کے ساتھ احترام واکرام واحسان کا سلوک جاری رہا۔ حضورؑ کو حکومتوں کی طرف سے کوئی خطرہ پیش نہ آیا (منتخب التواریخ) لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ سرکار حجتؑ حکومتوں کی سختیوں سے بے بس ہو گئے تھے اور کوئی ایسا طریقہ باقی نہ رہ گیا تھا جس کو اختیار کر کے آنحضرتؑ اپنے آباؤ اجداد اور سابقہ آئمہ علیہم السلام کی طرح نظامِ ہدایت وتقلید نہ چلا سکتے تھے۔ یا حضورؑ قید و بند برداشت نہ کر سکتے تھے؟ یا قتل ہو جانے سے ڈرتے تھے۔ اس لئے (معاذ اللہ) حضورؑ نے تمام راہیں بند دیکھ کر اس دنیا وغیرہ سے مستقل علیحدگی اختیار کر لی۔ اپنے تمام چاہنے والے فداکاروں کو نرغہ اعداء میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے کسی غار میں غائب ہو گئے۔ پوری ملت شیعہ اور ساری امت مسلمہ اور تمام اقوام عالم کو ان کے حال پر چھوڑ کر شیطان کے لئے میدان ہموار کر دیا کہ وہ جس طرح چاہے نوعِ انسان کو گمراہ کرتا رہے۔ اور اس طرح انسانوں پر اتمام حجت کرنے اور اللہ کی طرف سے ان پر حجۃ قائم رکھنے کے بجائے پوری نوع انسان کو اپنے اوپر حجت بنا لیا۔ حالانکہ آپؑ، شیطان سے اور اس کے قائم کردہ نظامہائے حیات سے تمام انسانوں کو محفوظ رکھنے کے ذمہ دار تھے۔

حضرت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا ہوتے ہی روح القدس کی تحویل میں عرش خداوندی پر پہنچانا ہماری احادیث میں موجود ہے۔ ان کی مخصوص تربیت کا تقاضہ تھا کہ ان حضرتؑ کو لوگوں کی نظروں سے الگ رکھا جائے۔ انہوں نے جس مافوق الفطرت فطرت پر تیار ہونا تھا۔ وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے ناممکن تھی۔ جس نے چندروز میں پوری قد وقامت اختیار کرنا ہو اسے اس مادی دنیا سے دور رکھنا ضروری تھا۔ بہر حال جس غیبت کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ وہ بھی حکومت وقت کے خوف سے واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ چوہتر (74) سال کا وہ زمانہ ہے۔ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک موجود رہنے، پوری کائنات کو زیر نظر رکھنے اور اس طویل زمانہ میں نظام ہدایت وتقلید کو مخصوص انداز میں چلانے اور قائم کرنے کا انتظام فرماتے رہے ہیں۔ آپؑ نے اس دوران اپنے والد محترم امامؑ یازدھم کا قائم کردہ نظام بحال رکھا۔ اپنی طرف سے انہوں نے تصدیق کے سوا کوئی نظام جاری نہیں کیا۔ جن حضرات کو نائبین امامؑ کہا جاتا ہے۔ وہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا قائم کردہ پرانا سلسلہ تھا۔ جو سابقہ مقررہ طریقہ پر اپنا جانشین خود مقرر کرتا چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اس قدیم نظام کو بتدریج غائبانہ اور اپنے خفیہ (UNDER GROUND) نظام سے وابستہ کیا، نئے اراکین تیار کئے اور تکمیل ہوتے ہی سابقہ تمام نائبوں کو آئندہ نائب مقرر کرنے سے روک دیا۔ اور یہیں سے وہ غیبت شروع ہوئی جس کو غیبتِ طویلہ یا غیبتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے غیبت کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اس وقت کے شیعہ قلبی ہم آہنگی کے ساتھ حضورؑ کی اتباع اور معاہدہ یوم الست کو پورا

نہ کرتے تھے۔ اور جیسا کہ تواریخ سے واضح ہے کہ 280ھ میں مذہب شیعہ میں خودساختہ قوانین کا نظام باقاعدہ درآیا تھا۔ اس نظام کو حضورؑ اپنی آڑ میں چھپنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے وہ نہ چاہتے تھے کہ اس نظام کے خودساختہ اور نام نہاد اسلامی حکومت کے احکام اپنی معصوم سند سے نافذ ہونے دیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے نام نہاد علماء اور ان کی تقلید کرنے والے شیعوں کو شیعان اہل بیتؑ سے الگ کرلیں۔ اور ان خبیث وملعون علماء کو محروم و ناکام کرنے کیلئے نظام غیبت قائم کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔

اللہ رسولؐ و امام زمانہؑ سے رابطہ و استفادہ کی راہیں کھلی ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں'' ۔''قائم آل محمدؐ علیہ السلام کے لئے دو غیبتیں ہیں۔ ان میں سے ایک چھوٹی ہے اور دوسری لمبی ہے۔ پہلی غیبت کے دوران ان کے رہنے کے مکان سے سوائے ان کے خاص شیعوں کے کوئی اور واقف نہ ہوسکے گا۔ اور دوسری غیبت کے دوران بھی کوئی شخص ان کے ٹھکانے کو نہ جان سکے گا۔ سوائے انؑ کے مخصوص موالیوں کے''۔ (کتاب کافی باب فی الغیبة)

ایک اور حدیث میں وارد ہے (لَنَا اِلْقَاء الاصُوْلِ وَلَكُمُ التَّفْرِيْع)۔ ''ہم پر لازم ہے کہ ہم تمہیں بنیادی اصول بتاتے رہیں۔ اور تم پر واجب ہے کہ تم ان بنیادی اصولوں کی تشریح و تفصیل کرکے بتاتے رہو''۔

خود امام عصر علیہ السلام نے واضح کیا ہے کہ:۔ ''اگر ہمارے شیعہ قلبی ہم آہنگی کے ساتھ ہمارے چاروں طرف جمع ہو جاتے۔ اور اُس معاہدہ کو پورا کرتے جو اُن سے لیا گیا تھا۔ تو بہت جلد ہماری ملاقات کے مرتبہ تک پہنچتے اور ہمیں دیکھنے کے نتیجے میں سعادت ان کی طرف بڑھ کر پہنچتی اور جس چیز کی وجہ سے ہم ان سے پوشیدہ ہیں وہ اُن کے وہ اعمال ہیں جو ہم تک پہنچتے ہیں۔ جن سے ہمیں کراہت و ناگواری ہوتی ہے۔ اور جو ہمیں ناپسند ہیں۔ اور ہم شیعوں سے ایسے بُرے اعمال کے لئے انتظار نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم اللہ سے مدد کے خواستگار ہیں۔ خدا ہمیں کافی ہے۔ اور بہترین وکیل ہے۔ اور اللہ ہمارے سیّد و سردار بشیر و نذیر رسولؐ پر اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر درود و سلام بھیجے۔

لکھنے کی تاریخ ماہ شوال کی آخری تاریخ 412ھ ہجری''۔ (کتاب احتجاج طبرسی و نجم ثاقب)

غیبت کبریٰ میں ھدایات و تقلید کیسے اور کس کی؟

ہدایات کی فراہمی اللہ، انبیاءؑ اور آئمہؑ کی ذاتی ذمہ داری ہے۔ اللہ نے بوقت تخلیق ہر مخلوق کی ہدایت کا انتظام رکھا (20/50) پھر مسلسل تا حیات ہدایات بھیجتے رہنے کا اعلان کیا (مومنون 23/44، طٰہٰ 20/123) اور طرح طرح سے ہدایات کی ترسیل پر قرآن میں بیانات دیئے اور تصدیق کی کہ ہر رسولؐ نے بڑی محنت اور جانفروشی کے ساتھ ہدایاتِ خُداوندی پہنچائیں (کہف 18/6، شعرا 26/3) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے ایک ادارۂ غیبت یا نظامِ غیبتِ کُلیہ کے ذریعہ سے ہر مخلوق کی ہدایت کا انتظام فرمایا (عمران 3/83) اس ادارہ غیبت کے سربراہؑ کو تمام کائنات پر رحمت بنا کر پھیلا دیا (انبیاء 21/107) اور اس پوشیدہ سربراہؑ کو کائنات کی ہر ہر چیز پر وسعت و قدرت عطا کردی تھی (اعراف 7/156) پھر تخلیق انسانی کے بعد سربراہؑ نظامِ غیبت کلیہ کو ہر نبیؑ اور تمام امتوں کے تمام افراد پر نگران و ہدایت کار بنایا تھا تا کہ جب پوری نوعِ انسانیت کا محاسبہ کیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نظامِ غیبت کا ہر سربراہ ہر انسان کے خیال و اقوال و اعمال پر چشم دید گواہ کی صورت میں تصدیق یا تکذیب کریں (عمران 3/81، نساء 4/41) جو تمام کائنات کے لئے نذیر رہتے چلے آئے (فرقان 25/1) یہاں تک کہ آپؐ کے نظامِ غیبت کی انسانی شاخ کو آخری تعلیمات و نعمات عطا کرنے کے لئے آپؐ کو شھودی کی مادی صورت عطا کی گئی۔ نوعِ انسان کو علومِ کائنات، دائمی حیات اور تسخیرِ دوجہاں ولامحدود قدرت و اختیار سونپنے کا عملی پروگرام پیش کیا گیا۔ لیکن رسولؐ کی قوم نے اس پروگرام کو ٹھکرا دیا (25/30 فرقان) اور اپنا ذاتی و قومی و ملکی اجتہادی طریقہ رسولؐ کے خلاف جاری کرلیا (فرقان 28-25/27) اور ابلیس کو اپنا راہنما بنالیا (فرقان 25/29) یہاں تک کہ کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ کربلا کے قتل عام کے بعد خانوادہ نبوتؐ نے اصلاح حال کی مختلف راہیں نکالنے کا پروگرام چلایا۔ ان حضراتؑ نے ملکی سیاست سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلی اور منظر عام پر آنا چھوڑ دیا۔ قید و بند اور حکومتوں کے تشدد نے انہیں پبلک سے دور کردیا ان حضرات سے ملنا باتیں کرنا اور راہ رسم رکھنا جرم قرار دے دیا تھا۔ یعنی ان ادوار میں آئمہؑ کی مرضی کے خلاف انہیں غائب رکھنے اور غائب رہنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اس جبر کو توڑنے کے لئے اور ملت سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک ایسے نظام غیبت کی ابتدا کی جس سے وہؑ اپنی آواز ملک کے دور دراز شہروں اور آبادیوں تک پہنچا سکتے تھے۔ بالآخر اسی نظام نے غیبت کلیہ اختیار کر

لی جسکا اعلان روزِ ازل سے ہوتا چلا آ رہا تھا اور آنحضرتؐ اور آئمہ ھدیٰ نے بھی جسکی خبر دی تھی۔لیکن ہدایت کی ترسیل ازاول تا آخر تیز تر، وسیع تر اور سہل تر ہوتی چلی گئی ۔ اسلئے کہ انسانوں پر حجتؑ خداوندی قائم رہے۔غیبت کبریٰ ان تمام مادی پابندیوں کو مومنین کی راہ سے ہٹا دیتی ہے۔جو کسی سربراہ نظام ہدایتؑ سے ملاقات پر عائد تھیں۔یعنی اب طالب ہدایات کو مکہ مدینہ یا سامرہ جا کر ملاقات کرنے اور سوالات کرنے کی احتیاج نہیں۔وہ جہاں ہوں جس حال میں ہوں امام عصر علیہ السلام انکے آس پاس ہی ہوتے ہیں۔ان کے قلوب واذھان میں گذرنے والے خیالات تک سے سابقہ آئمہؑ کی طرح مطلع ہوتے ہیں۔لہذا اگر وہ واقعی سرکار علیہ السلام کے مقلد یا منتظر ہیں تو سرکارؑ انہیں ہدایات عطا فرمادیں گے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قائم آل محمدؐ، ہادیٰ دو جہاں راہنمائے کون ومکاں علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر طالبانِ ہدایت کو نوازتے چلے آرہے ہیں۔اور اپنے آباؑ واجداؑد کے تمام معیار برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

(اللّٰھُمَ صلی علیٰ قائم آلِ محمدؐ و آبائہؑ و امھاتہؑ)

اس لئے غیبت صغریٰ ہو یا غیبت کبریٰ ان میں ترسیل ہدایت کا طریقہ الگ الگ سمجھنا یا اس کو زیر بحث لانا ایک فریب ہے۔سوال یہ ہونا چاہئے تھا کی غیبت کبریٰ میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سرکاؑر کے حضور جا سکیں گے یا نہیں؟ اس کے برعکس یہ اعلان کردیا کہ اب معصوم ہدایات بند ہو چکی ہیں۔اور ہم علماء لوگ امامؑ کے نائب بن چکے ہیں اور اسلامی ہدایات شیعہ مجتہدین کے اجتہادات پر مبنی ہوں گی۔

معصوم ہدایات ملنے کا وہی قدیم طریقہ آج بھی موجود ہے

غیبت کے دور میں اسی قدیم طریقہِ ہدایت پر ثابت قدم رہنے کیلئے امام جعفر صاؑدق نے فرمایا:۔زرارہؓ وحارث بن مغیرہؓ سے مروی ہے کہ:۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔جب ان سے ان کا امامؑ پوشیدہ ہوگا۔میں نے عرض کیا اس وقت لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔فرمایا اپنے عقیدے پر قائم رہیں یہاں تک کہ ان کیلئے حق ظاہر ہو جائے''۔(کمال الدین وتمام النعمۃ جلد 2 حدیث نمبر 44,47)

اسلام ایک مکمل دین ہے اور قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے۔کائنات میں کوئی خشک وتر ایسی چیز نہیں جو قرآن کے احاطہ سے باہر ہو (6/59) یہاں تک کہ ''کوئی بھی دو آدمی کسی بھی بات میں جو بھی اختلاف کرتے ہیں یا آئندہ کریں گے تو اس اختلاف کی اصل یا اختلاف کو مٹانے والا حل قرآن میں موجود ہے'' (امام جعفر صادق علیہ السلام کافی کتاب فصل العلم باب الرد الی الکتاب والسنۃ حدیث 6)

قرآن کریم ہراُس شخص کو کافر وظالم وفاسق قرار دیتا ہے ۔جو انسانوں پر ایسے احکام وفتاویٰ اور فیصلے ٹھونسے جو اللہ کی طرف سے نازل نہ ہوئے ہوں (5/44-47) اور چونکہ قرآن کلام اللہ اور کلام رسوؐل کریم بھی ہے۔(حاقہ 42-69/41) اور آنحضرؐت کی ہر بات وحی خُداوندی ہوتی ہے (نجم 53/2-4) اس لئے کلام اللہ وکلام معصومؑ کے الفاظ میں انسانوں کو ہر ہدایت وہر حکم وفیصلہ دیا جانا واجب ہے۔اور خلاف ورزی کفر وظلم وفسق ہے

مزید یہاں تک کہ دینی احکام میں انبیاءؑ اور آئمہ ماکان و مایکون وما ھو کائن کا علم رکھتے ہوئے اپنی ذاتی رائے اور نظریہ سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتے (ظفری جلد 1 صفحہ 64،شرح جلد اول صفحہ 101-100)

اور مومنین کیلئے حکم ہے کہ ان کے درمیان کوئی اختلاف مسئلہ یا تنازعہ کھڑا ہو گیا ہو تو انہیں اس تنازعہ کو اللہ رسوؐل اور اولی الامر کی طرف رد کرنا ہے اور ہر وہ حل جو ان تین ہستیوں کے بغیر ہوگا یقیناً غیر اسلامی اور باطل ہوگا۔

نظام غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایت طالبین کو خود معصومؑ دے گا

امام عصر والزمان قائم آل محمدؐ سے رابطہ واستفادہ کی راہیں کھلی ہیں۔مخصوص شیعہ اور مخصوص موالی آپؑ کا ٹھکانہ جانتے ہیں۔آپؑ ہر موسم میں مشہود وظاہر موجود ہیں لوگوں کو دیکھتے ہیں لیکن لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں گے(امام جعفر صاؑدق) حضور قائم آل محمدؐ سے ملاقات نہ ہوسکنے کی وجہ بھی خود حضورؑ نے شیخ مفید کے نام خط میں واضح فرمادی ہے۔

تمام مجتہدین کا زبانی اور تحریری مسلمہ ہے کہ امام معصومؑ خود براہ راست ہدایت بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔مجتہد حضرات اپنی نیابت اور قیادت ثابت کرنے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔لنا القاء القول ولکم التفریع ۔یا۔لنا القاء الاصول ولکم التفریع (کتاب السّرائر اور تمام اجتہاد کے ثبوت والی کتابیں)

۔’’ہم پر لازم ہے کہ تمہیں اپنے احکام سے وابستہ رکھیں اور تم اُن احکام کی تنفیذ و تفصیل کرو یا یہ کہ ہم تمہارے سامنے اپنے فرمان پیش کرتے رہیں اور تم موقع و محل کے مطابق ان پر عمل کرتے رہو‘‘۔

قارئین نوٹ کریں کہ لفظ القا کا مادہ ’’ل۔ق۔ی‘‘ ہے۔اسی سے آگے بڑھ کر اِلقَاءٌ بنتا ہے اس کا اولین مصدر ’’لِقَاءٌ ‘‘ ہے۔اور لقاءٌ کے معنی ملنا، نظر آنا ،زیارت، سامنے آنا ہیں ’’القاء القول‘‘ سامنے آکر بات کرنا ’’القاء الاصول‘‘ سامنے آکر اصول بتانا۔

واضح ہو گیا کہ ہر مسئلہ کے جواب میں آیت یا قول معصوم پیش کرنا لازم ہے۔اگر ضرورت ہو گی تو صرف وضاحت و تشریح کی جائے گی۔اور از خود اپنے پاس سے کوئی بات نہ کہی جائے گی۔اس حقیقت کی وضاحت کے لئے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

(1) کتاب مفتاح الشفاعۃ صفحہ 231 پر علامہ حلی کی کرامات کا بیان سُنیں۔چنانچہ کتاب میں علامہ حلّی کی کرامات بیان کرتے ہوئے ایک سفر کا حال لکھا ہوا ہے جس میں سرکار دو عالمؐ حضرت حجۃ علیہ السلام کا ملنا اور علامہ حلّی کا اُنہیں کوئی مسافر اور عالم سمجھ کر مسائل دریافت کرنا لکھا ہے۔کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔اس شخص نے اپنا فتویٰ بیان کیا۔علامہ حلّی نے اُسے غلط سمجھ کر انکار کیا اور کہا کہ:۔’’کوئی حدیث مطابق اس فتوے کے ہم نہیں رکھتے۔اُس شخص نے کہا کہ ایک حدیث شیخ طوسی نے تہذیب میں ذکر کی ہے اور تم اپنی تہذیب میں اول سے اس قدر شمار کرو پس فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں یہ حدیث مذکور ہے‘‘۔ علامہ متحیر ہوئے کہ یہ کون شخص ہے؟۔لہٰذا اس شخص سے دریافت کیا کہ آیا اس زمانہ میں جب کہ غیبت کبریٰ کا دور ہے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو دیکھ سکتے ہیں؟ یا نہیں؟ اور اچانک علامہ کے ہاتھ سے خچر کو ہانکنے والا تازیانہ گر گیا۔اس شخص نے جھک کر تازیانہ اٹھایا اور شیخ کو دیتے ہوئے جواب دیا کہ کیوں نہیں صاحبؑ امر کو دیکھ سکتے حالانکہ اُن کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔پس علامہ نے بے اختیار خود کو خچر سے زمین پر گرا دیا کہ قدم بوسی کریں۔لیکن بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش میں آئے تو کوئی موجود نہ تھا‘‘۔

(2) اسی طرح کتاب ’’ملاقاتِ امامؑ‘‘ از جناب مولانا السید محمد صاحب قبلہ مجتہد امروہوی، کے صفحہ نمبر 232 واقعاتِ متعلقہ مذہبی مباحث نمبر 54 سے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو:۔

’’مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار میں اپنے قریبی زمانہ کے بعض معتمد افاضل سے سنا ہوا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں ولایت بحرین کا تعلق انگریزوں سے تھا تو انہوں نے ایک مسلمان کو اس خیال سے والی بحرین بنایا کہ مسلم حکومت کی وجہ سے وہاں کے تعمیری اور اصلاحی حالات قابلِ اطمینان رہیں گے۔وہ والی نواصب میں سے تھا اور وزیر اس سے بھی زیادہ عداوت اہل بیت رسولؐ میں ایسا سخت تھا کہ ہمیشہ مومنین بحرین کے درپے آزار رہتا اور اس نسبت محبت اہلبیت رسالتؐ کی وجہ سے ان کو طرح طرح کے نقصانات پہنچاتا اور مکر و حیلہ سے ان کی جان کی فکر میں رہا کرتا ایک روز اس نے والی بحرین کو ایک انار دیا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُـحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَلِیٌّ خُلَفَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔حاکم نے غور کیا تو یہ سمجھا کہ جو کچھ لکھا ہوا وہ قدرتی طریقہ پر ہے اور یہ تحریر انار کے ساتھ کی پیداوار ہے اسکا تعلق انسان کی کاری گری سے نہیں ہو سکتا وہ بہت متعجب ہو کر وزیر سے کہنے لگا کہ یہ نوشتہ رافضیوں کا مذہب جھوٹا ہونے کی بڑی روشن علامت اور اس کے غلط ثابت کرنے کے لئے زبردست دلیل و قوی حجّت ہے۔اب ان لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔وزیر نے کہا کہ یہ بڑے سخت لوگ ہیں دلیلوں کو بھی نہیں مانتے مگر مناسب ہے کہ ان کو بلایئے اور یہ انار دکھایئے اگر انہوں نے اس کو مان لیا اور اپنے مذہب کو چھوڑ دیا تو آپ کو بڑا ثواب ہوگا اور اگر انکار کریں اپنے مذہب سے نہ ہٹیں تو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت اختیار کرنے کا ان کو حکم دیجئے۔جس کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں یا تو جزیہ دیں اور ذلیل ہو کر رہیں یا اس دلیل کا جواب دیں یا ان میں سے مردوں کو قتل کرا دیا جائے عورتیں بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ان کا مال مالِ غنیمت شمار کیا جائے چنانچہ وزیر کی رائے والی کو پسند آئی اور بڑے بڑے لوگ علماء و افاضل کی حاضری کا حکم دے دیا گیا۔جب یہ تمام جمع ہو کر آئے تو حاکم نے ان کے سامنے وہ انار پیش کیا اور کہا کہ آپ صاحبان اس کا شافی جواب دیں ورنہ آپ لوگوں میں کے سب مرد قتل کر دیئے جائیں گے۔اور عورتیں بچے اسیر ہوں گے سب کا مال ضبط ہوگا یا آپ لوگ جزیہ دیں گے اور کفّار کی طرح ذلّت کے ساتھ رہنا پڑے گا۔جب ان مومنین نے یہ باتیں سنیں تو لرزنے لگے چہرے متغیر ہو گئے متحیر تھے کہ کیا جواب دیں بالآخر ان میں سے چند بزرگوں نے یہ کہا کہ ہم کو تین روز کی مہلت ملنی چاہئے ممکن ہے کہ ایسا جواب پیش کیا جائے جس سے آپ راضی ہو جائیں اور اگر اس درمیان میں ہم جواب نہ دے سکے تو آپ جو چاہیں ہمارے ساتھ عمل کریں پس ان کی اس درخواست کو حاکم نے منظور کر لیا اور یہ لوگ نہایت خوف و حیرت کے عالم میں وہاں سے واپس ہوئے اپنا ایک جلسہ کیا جس میں کافی تبادلہ خیالات ہوتا رہا نتیجہ میں یہ رائے قرار پائی کہ بحرین کے صالحین و زاہدین میں سے دس آدمیوں کا انتخاب کیا جائے پھر ان دس میں سے تین

صاحبان منتخب ہوں چنانچہ اوّل روزان تین میں سے ایک صاحب کو اس کام پر معمور کیا گیا کہ آج رات کو جنگل کی طرف جاؤ عبادت الہیٰ میں مشغول ہو اور سرکار حضرت حجّت علیہ السلام کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرو شاید حضرتؑ اس بلائے عظیم سے نجات کا راستہ تمہیں تلقین فرمائیں وہ گئے اور پوری رات خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت وتضرع وزاری میں گزاری رورو کر بارگاہ الٰہی میں دُعائیں کیں اور حضرت حجت علیہ السلام سے فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی مگر کچھ نہ ہوا اور واپس آ گئے ۔دوسری شب کو دوسرے بزرگ بھیجے گئے وہ بھی پہلے صاحب کی طرح رات بھر دعا میں مصروف رہے لیکن کوئی خبر لے کر نہ آئے ۔جس سے مومنین کی بیقراری بڑھ گئی پھر تیسرے بزرگ جو بڑے متقی پرہیزگار فاضل تھے اور جن کا نام محمد بن عیسیٰ تھا تیسری شب کو سر و پا برہنہ صحرا میں گئے رات بہت اندھیری تھی رورو کر دعائیں کرتے رہے امامؑ زمانہ سے فریادیں کیں کہ مومنین سے اس بلا کو دفع فرمایئے جب شب کا آخری وقت ہونے لگا تو انہوں نے آواز سُنی کہ کوئی یہ خطاب کررہا ہے ۔اے محمد بن عیسیٰ تمہاری یہ کیا حالت ہے اور کیوں؟ اس وقت بیابان میں ہو ۔انہوں نے جواب دیا مجھے میرے حال پر رہنے دو میں ایک بہت بڑے کام کے لئے آیا ہوں جس کو سوائے اپنے امامؑ کے کسی سے بیان نہیں کرسکتا ۔اسی کی خدمت میں اپنی مصیبت کی شکایت پیش کروں گا جو اس کو دفع کرسکتا ہو ۔فرمایا اے محمد بن عیسیٰ میں ہی صاحب الامرؑ ہوں جو تمہاری حاجت ہے کہو محمد بن عیسیٰ نے عرض کیا کہ اگر آپ صاحب الامرؑ ہیں تو سارا قصہ خود جانتے ہیں میرے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے فرمایا کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو تم تو اس مصیبت کے سلسلہ میں گھر سے نکلے ہو جو انار کے معاملے میں تم سب کو پیش آئی ہے اور حاکم نے تم لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہے محمد بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ یہ کلام معجز سن کر میں نے اس جانب رخ کیا جدھر سے یہ آواز آئی تھی اور عرض کیا اے میرے مولاؑ جس بلا میں ہم مبتلا ہیں وہ آپؑ کو خوب معلوم ہے مولاؑ آپ ہی ہمارا ماویٰ وملجاو جائے پناہ ہیں اور اس مصیبت کو دور کرنے پر قادر ہیں فرمایا اے محمد بن عیسیٰ وزیر کے گھر میں ایک انار کا درخت ہے جس وقت اس میں انار آنے لگے تو اس نے مٹی سے انار کی شکل بنائی اور اس کے دو حصے کر کے ہر ایک ٹکڑے میں اندر کی طرف تھوڑی تھوڑی وہ عبارت لکھ دی اور درخت کے ایک انار پر جو چھوٹا سا تھا ان دونوں ٹکڑوں کو باندھ دیا اور یہ انار اس قالب کے درمیان بڑھتا رہا جس کی وجہ سے وہ تحریر انار پر بھی اتر آئی ہے جب صبح کو تم حاکم کے پاس جاؤ تو کہنا کہ میں جواب لے کر آیا ہوں لیکن وزیر کے گھر پر بیان کرسکتا ہوں حاکم ساتھ جائے گا جب مکان کے اندر پہنچو تو داخل ہوتے ہوئے اپنی داہنی جانب ایک بالا خانہ دیکھو گے حاکم سے کہنا کہ میں اس کے اندر چل کر جواب دوں گا جس سے وزیر انکار کرے گا مگر تم اس بات پر جمے رہنا اور اس کا خیال رکھنا کہ وہ تم سے پہلے تنہا اس پر نہ چڑھنے پائے جب وہاں پہنچو گے تو ایک سفید تھیلی طاق میں رکھی ہوئی نظر آئے گی اس پر قبضہ کر لینا اسی میں مٹی کا وہ سانچہ موجود ہے پھر انار اس قالب میں رکھ کر حاکم کو دکھانا تاکہ ساری کاروائی کھل جائے ۔اے محمد بن عیسیٰ تم حاکم سے یہ بھی کہنا جو ہمارا دوسرا معجزہ ہے کہ اس انار میں سوائے خاکستر اور دھوئیں کے کچھ نہیں ہے اگر آپ تصدیق چاہتے ہیں تو وزیر کو حکم دیجئے کہ وہ اس کو توڑے جس وقت وہ اس کو توڑے گا تو انار سے خاک اور دھواں اٹھ کر اس کے چہرے اور داڑھی پر جا پڑے گا ۔پس امام علیہ السلام کی یہ پوری رہنمائی سن کر محمد بن عیسیٰ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا حضرتؑ کے سامنے کی زمین کو بوسہ دیا اور نہایت مسرت کے ساتھ شہر کو واپس ہوئے اپنے سب لوگوں کو کامیابی کی خوشخبری پہنچائی ۔علی الصبح مومنین حاکم کے یہاں گئے اور محمد بن عیسیٰ نے تمام ان امور کی تعمیل کی جن کا حضرتؑ نے حکم دیا تھا ۔اور وہ سب باتیں ظاہر ہوگئیں جن کی براہِ اعجاز حضرتؑ نے خبر دی تھی جس پر حاکم محمد بن عیسیٰ سے کہنے لگا کہ یہ بتاؤ کہ یہ تمام حالات تمہیں کیسے معلوم ہوئے انہوں نے جواب دیا کہ حجت خدا امام زمانؑ نے مطلع فرمایا ہے ۔حاکم نے دریافت کیا کہ تمہارے امام کون ہیں انہوں نے ہر ایک امامؑ کے متعلق بارہویں امام علیہ السلام تک جو کچھ کہنا تھا بیان کر دیا حاکم نے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے اور کہا کہ میں اس مذہب پر بیعت کرتا ہوں ۔**اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ وان علیاً ولی اللّٰہ و وصی رسول اللّٰہ و خلیفة بلا فصل** ۔پھر باقی آئمہ علیھم السلام میں ہر ایک کا نام لے کر امامت وولایت کا اقرار کیا اور بڑا اچھا ایمان والا ہو گیا اور وزیر کو قتل کر دیا اہل بحرین سے بہت معذرت کی اور اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آنے لگا یہ واقعہ اہل بحرین میں بہت مشہور ہے اور فاضل متقی محمد بن عیسیٰ کی قبر بھی وہیں ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں''۔

ان واقعات کی روشنی میں قارئین کرام غور فرمائیں اور سوچیں کہ یہ کیا ہی خوبصورت حق وحقیقت، دین ودیانت اور فطرت پر مبنی بات ہوتی اگر اس دور میں بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا ہوتا ۔جدید تقاضوں کا کوئی بھی مسئلہ درپیش آتا اور اگر ہمیں قرآن وحدیث میں اس کا حل نہیں ملتا اس لئے کہ ہم القرآن الحکیم کے عالم نہیں ہیں ۔جبکہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کائنات کی ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے ۔ہم امام العصر والزمانؑ حجۃ اللہ ۔ہدایت کرنے کی ذمہ دار ہستیؑ عالم ومعلم القرآن کے حضور درخواست پیش کرتے اور وہ حضرتؑ جس طرح پہلے ہدایت فرماتے رہے ہیں اب بھی ہماری راہنمائی فرما دیتے کہ تمہارے اس مسئلے کا حل فلاں آیت وحدیث

میں ہے۔اور ہمارا مذہب اختلاف وافراق سے محفوظ رہتا۔ ہمارا مذہب خالص رہتا۔حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد واتفاق وہم آہنگی کا صرف اور صرف یہی ذریعہ ہے۔اس طرح نہ ہم قرآن واحادیث کی ہمہ گیری سے انکار کرتے نہ ہمیں آیات واحادیث کو تقسیم کر کے احتمالات کی بھینٹ چڑھانے کی ضرورت محسوس ہوتی نہ قرآن واحادیث کی غلط تاویلات کر کے اپنے زیغ پر فٹ کرتے۔ نہ اجتہادی غلطی کے باطل احکامات سے مذہب پراگندہ ہوتا۔نہ غیر معصوم کی تقلید کے بکھیڑوں میں پڑتے۔نہ ہمیں خطا کار انسانوں کو معصوم اور معصومینؑ کو خطار کار ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ علم حاصل کرنا بھی فرض کفائی قرار نہ دیا جاتا۔عوام کی توہین بھی نہ ہوتی۔ظنی مسائل بلا دلیل احکامات بھی انسانوں پر مسلط نہ ہوتے۔حرام وحلال میں تمیز رہتی۔سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ احتیاجِ امام زمانہؑ ختم نہ ہوتی۔اور ہمیں ہمہ وقت منتظر رہنے کی سعادت نصیب ہوتی۔ملاقات کے مرتبہ تک پہنچنے اور آنحضرتؑ کی زیارت کے نتیجہ میں سعادت ہماری طرف بڑھ کر پہنچتی۔اور نعمات وعلومِ خداوندی سے مالا مال ہوتے۔

اللّٰھم صلی علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

تحقیق: الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی مجتہد، ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

ماخوذ: اسلام اور علمائے اسلام، اسلام میں نظامِ ہدایت وتقلید

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	اصطلاحات	1
2	قیاس، عقل، رائے	1
3	اجماع	3
4	علم الرجال	4
5	فقیہ	4
6	اصول فقہ	5
7	اجتہاد	5
8	شیعہ مجتہدین کا نظریہ اجتہاد	6
9	مجتہد	7
10	تقلید	7
11	مرجع تقلید، جامع الشرائط کی صفات وشرائط	7
12	مقلدین عوام کو مرجع تقلید، جامع شرائط اختیار کرنے میں درپیش مشکلات	8
	(الف) اعلم	8
	(ب) کامل فہم وقوت ادراک	9
	(ج) صحیح العقیدہ ودرست عمل	10
	(د) دیانت وامانت عدل وانصاف سے متصف، دنیاوی قباحتوں سے مبرا	11
	(ھ) برائیوں سے پاک اور بری الذمہ	12
	(و) آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے ان کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم	12
13	''جاہل عوام کیسے پتہ لگائیں کہ فلاں شخص مجتہد ہے؟''	14
14	''نظریہ اجتہاد'' کے حق اور اختلاف میں دلائل	15
	(الف) دعاوی/مقدمات	15
	☆ مقدمات کا ماحاصل	16
	(ب) آیت نمبر 1	16
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	17
	☆ جواز پر تبصرہ	19
	(ج) آیت نمبر 2	22
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	22
	☆ جواز پر تبصرہ	24

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	(د) آیت نمبر 3	26
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	26
	☆ جواز پر تبصرہ	27
	☆ آیت کن حالات سے تعلق رکھتی ہے؟	28
	☆ جواز میں پیش کردہ احادیث اور ان پر ناقدانہ نظر	30
15	نظریہ اجتہاد سے اختلاف میں دلائل	36
	(الف) دعویٰ نمبر 1	36
	(ب) دعویٰ نمبر 2	38
	(ج) دعویٰ نمبر 3	40
	(د) دعویٰ نمبر 4	41
	(ھ) دعویٰ نمبر 5	43
16	زیر بحث نظام کے فوائد ونقصانات	43
17	حاصل بحث	48
18	غیبت کبریٰ میں ہدایت وتقلید	50
	(الف) تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں	51
	(ب) اللہ، رسولؐ وآئمہؑ سے استفادہ کی راہیں کھلی ہیں۔	54
	(ج) غیبت کبریٰ میں ہدایت وتقلید کیسے اور کس کی؟	55
	(د) معصومؑ ہدایت ملنے کا قدیم طریقہ آج بھی موجود	57
	(ھ) نظام غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایت طالبین کو معصومؑ راہنما خود دے گا	58
	(و) واقعاتِ ملاقات وحاصلِ ہدایات	58